Atlantis Publications

اشتیاق احمد

انسپکٹر جمشید سیریز

اسلاٹر

917

یکم دسمبر 2007 کو شائع ہونے والے ناول

دوسرا مجرم

-/40 روپے

[illegible]

اشتیاق احمد کی انسپکٹر جمشید سیریز کے آٹھ سنسنی خیز اور دلچسپ ناول

- پراسرار اغوا
- چوتھا ٹکڑا
- جاسوس ہو تو ایسا
- اغوا کی شاخ
- اغوا کا جواب
- چوکور نیلا ستارہ
- ہیروں کا بکس
- کی موت

D-83 ... کراچی
فون 021-2581720
021-3678273
ای میل atlantis@cyber.net.pk

السلام علیکم!

سلاز سے ملیے...... خاص نمبر کے بعد یہ مطالبہ بہت زور پکڑ گیا تھا کہ اب آئندہ خاص نمبر کے لیے آپ کے پاس تو کوئی خاص مجرم بچا نہیں، پھر کسے لائیں گے، حالانکہ آئندہ خاص نمبر ابھی دور کی بات ہے، لیکن میرے پڑھنے والوں کو ابھی سے فکر لاحق ہوگئی ہے۔ اب میرا ابھی یہ فرض بنتا ہے کہ اپنے پڑھنے والوں کو فکر میں دبلا ہونے دوں، اگر وہ دبلے ہوتے چلے گئے تو کیا خاک کتابیں پڑھیں گے۔ یہی سوچ کر سلاز کو میدان میں اتارا پڑا...... اب دیکھیں، یہ صاحب کب تک چلتے ہیں۔ پہلا مقابلہ ضرور آپ کو پسند آئے گا۔ کہانی کی رفتار بھی بہت تیز ہے...... اب اگر آپ اس تیزی کا ساتھ نہ دے سکیں تو اور بات ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کہانی کی تیزی سے بھی زیادہ تیزی دکھا جائیں اور میں سر پیٹ رہ جاؤں، لیکن میرے سر پیٹنے کا نقصان بھی آپ کے سر ہوگا، لہٰذا کوشش کرکے کہانی کے ساتھ ہی رہیے۔ نہ آگے نہ پیچھے، ساتھ نبھانے کی ہی تو باتیں ہیں، لیکن نہیں، یہ تو دو باتیں ہیں۔

خوف کی لہر

فرزانہ اس شخص کو دیکھ کر بُری طرح خوف زدہ ہوگئی۔ اسے خود پر حیرت بھی ہوئی، کیونکہ اس شخص میں ایسی کوئی بات بھی تو نہیں تھی، جس سے خوف محسوس ہوتا۔ معمولی سے قد و قامت کا آدمی جس کے ہاتھ پیر بھی بس یونہی سے تھے۔ چہرہ بھی بالکل عام آدمیوں جیسا۔ البتہ اس کی آنکھیں ضرور عجیب تھیں۔ ان کا رنگ گہرا سبز تھا۔ سبز آنکھوں والے آدمی دیکھنے کا اتفاق فرزانہ کو بہت کم ہوا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں سے نظر نہ آنے والی شعاعیں خارج ہورہی ہوں اور یہ شعاعیں ہی اسے خوف زدہ کررہی تھیں۔ ورنہ اور تو کوئی بات خوف زدہ کرنے والی نہیں تھی۔ اس کی آواز قدرے سوئی اور بیٹھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ جسم کا رنگ زردی مائل سفید تھا۔ ناک بہت لمبی اور نوک آگے کو جھکی ہوئی تھی۔ جبڑوں کی ہڈیاں خوب ابھری ہوئیں۔ فرزانہ نے سوچا کہیں میں ان ابھرے ہوئے جبڑوں کو دیکھ کر تو خوفزدہ نہیں ہوگئی، کیونکہ ایسے جبڑے عام طور پر خطرناک لوگوں کے دیکھنے میں آئے تھے۔

اسکول میں سے اپنی سہیلی عمرانہ کو کب کی بات پر یقین نہیں آیا تھا، لیکن مہمان کو دیکھنے کے بعد عمرانہ کا خیال اسے سوفیصد درست معلوم ہوا۔ اسکول میں عمرانہ اسے پارک کے ایک گوشے میں گھسیٹ لے گئی اور بولی:

”فرزانہ، میں آج کل بہت خوف زدہ ہوں۔“

"اچھا، لیکن کس خوشی میں۔" فرزانہ مسکرائی۔ عمرانہ اس کی بہت پکی سہیلی تھی۔

"میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں فرزانہ۔" عمرانہ کے لہجے نے فرزانہ کو چونکا دیا اور وہ اس کی طرف بغور دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں واقعی خوف کے سائے تیر رہے تھے۔

"تم تو واقعی خوفزدہ معلوم ہوتی ہو، بات کیا ہے؟"

"میں ابو کے مہمان سے خوف زدہ ہوں۔"

"مہمان سے، لیکن کیوں؟" فرزانہ بولی۔

"میں نہیں جانتی، میں اس سے کیوں خوف زدہ ہوں۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"بات تمہاری سمجھ میں اس وقت آئے گی، جب تم ہمارے ہاں آ کر مہمان کو دیکھو گی۔" عمرانہ خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہارے ابو کا مہمان کوئی بہت خوفناک اور لمبا چوڑا آدمی ہے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔"

"تو پھر کیا بات ہے، پوری بات بتاؤ نا۔ وہ مہمان کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کب آیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔"

"چند دن پہلے ابو نے ہمیں اطلاع دی تھی کہ گھر میں ایک مہمان آنے والے ہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ گھر میں مہمان آتے ہی رہتے ہیں۔ تیسرے روز پہلے مہمان صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے اسے پہلی مرتبہ رات کے کھانے کی میز پر دیکھا۔ ابو نے سب سے اس کا تعارف کرایا۔ لیکن نہ جانے کیوں، مہمان

دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی۔"

"کیا تمہارے علاوہ کوئی اور بھی خوف زدہ نظر آتا ہے۔" فرزانہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ چند دن تک پریشان رہی۔ اسے اپنا وہم خیال کرتی رہی، لیکن جب کسی طرح اس وہم سے پیچھا نہ چھڑا سکی تو تم سے ذکر کرنے پر مجبور ہو گئی، میں نہیں جانتی وہ کون ہے، کیا کرتا ہے، کہاں سے آیا ہے۔ ابو نے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"اور اس کا نام۔ آخر اسے کسی نام سے تو مخاطب کیا ہی جاتا ہو گا۔"

"ہاں، ابو اسے مسٹر سالار کہہ کر پکارتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"سالار۔" فرزانہ کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"ہاں سالار۔ مجھے بھی یہ نام عجیب سا لگا تھا۔"

"کیا وہ کوئی انگریز ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"میں کچھ کہہ نہیں سکتی، ہے کوئی غیر ملکی ہی۔"

"خیر، تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" فرزانہ نے کہا۔

"یہی کہ تم بھی آ کر اسے دیکھ لو اور ہو سکے تو میرا وہم دور کر دو۔"

"ٹھیک ہے، میں آج ہی شام کو تمہارے ہاں آؤں گی، لیکن ہماری کسی بات سے بھی یہ ظاہر نہ ہو کہ تم نے مجھے اس مہمان کا جائزہ لینے کی دعوت دی ہے، تم یوں کرو کہ میری ایک کتاب اپنے بستے میں رکھ لو، بس میں وہی کتاب لینے کے بہانے آ جاؤں گی۔"

"یہ ٹھیک رہے گا، لیکن کیا تم محمود اور فاروق کے بغیر ہی آؤ گی؟"

"بھئی صرف ایک کتاب لینے کے لیے تو ہم تینوں نہیں آ سکتے۔" اس نے کہا۔

"ہوں، خیر یونہی سہی۔"

"ویسے بھی وہ اس وقت سینٹرل پارک میں ہوں گے۔ ہم بھی تمہارے گھر پہنچوں گی۔ تم فکر نہ کرو، اگر کوئی ایسی ویسی بات محسوس ہوئی تو میں نہ صرف ان دونوں کو اس معاملے میں شامل کروں گی، بلکہ ابا جان کو بھی۔"

اور اس طرح وہ ٹھیک ساڑھے چار بجے شام عمرانہ کے گھر کے دروازے پر پہنچ گئی۔ یہاں وہ پہلے بھی کئی بار آچکی تھی اور عمرانہ کے والد کوکب طیاری اسے اچھی طرح جانتے تھے، البتہ محمود اور فاروق یہاں کبھی نہیں آئے تھے، نہ ہی انسپکٹر جمشید سے کوکب طیاری کی ملاقات ہوئی تھی۔ یہ ایک بڑے سرکاری افسر تھے۔

فرزانہ نے دروازے کی گھنٹی بجائی تو کوکب طیاری کے ملازم نے دروازہ کھولا اور اس پر نظر پڑتے ہی بولا:

"اوہو، فرزانہ بی بی آئی ہیں۔ آئیے اندر آجائیے۔ عمرانہ اس وقت باقی لوگوں کے ساتھ باغ میں ہے۔"

"شکریہ بابا، کہیے کیا حال ہے؟"

"بس ٹھیک ہی ہوں۔" گل نے مسکرا کر کہا۔

وہ اس کے ساتھ باغ میں پہنچی۔ یہاں کرسیوں پر کوکب طیاری، ان کی بیگم، عمرانہ کا بڑا بھائی اسرار کوکب اور وہ غیر ملکی مہمان بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

"ارے فرزانہ تم۔" عمرانہ کے منہ سے نکلا۔

"مجھے افسوس ہے، میں نے آپ سب کو پریشان کیا، دراصل [illegible]۔"

"ارے ارے، فرزانہ بیٹی، یہ کیا کہہ رہی ہو۔ بھلا تمہاری آمد سے ہم پریشان کس طرح ہو سکتے ہیں۔" کوکب طیاری جلدی سے بولے۔

"شکریہ انکل، بات دراصل یہ ہے کہ میری ریاضی کی کتاب میرے بیگ

میں نہیں ملی۔ عمرانہ میری ایک فیلو ہے، لہٰذا میں یہ سوچ کر چلی آئی کہ کہیں اس نے غلطی سے اپنے بستے میں نہ رکھ لی ہو۔ کتاب تو خیر صبح اسکول پہنچ کر بھی لی جا سکتی تھی، لیکن اس طرح میں ریاضی کا گھر کا کام نہیں کر سکتی تھی۔"

"کوئی بات نہیں بیٹی۔" یہ کہہ کر کوکب طیاری عمرانہ کی طرف مڑے ہی تھے کہ وہ بول پڑی۔

"تم بیٹھو فرزانہ، اسکول سے آنے کے بعد میں نے ابھی تک بستہ کھول کر نہیں دیکھا، ابھی دیکھتی ہوں جا کر۔" عمرانہ نے کہا اور تیزی تیز قدم اٹھاتی اندر کی طرف چلی گئی۔ فرزانہ نے ایک خالی کرسی سنبھال لی۔

"اور سناؤ فرزانہ، تمہارے ابا جان اور بھائیوں کا کیا حال ہے؟"

"جی، سب ٹھیک ہیں۔" اس نے کہا اور سب پر ایک نظر ڈالی۔ مہمان سر جھکائے بیٹھا تھا اور ابھی تک اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی تھی۔ اس کی نظریں اس تک پہنچ کر اٹک گئیں۔

"آپ کی تعریف؟" اس کے منہ سے نکلا۔

"یہ میرے دوست مسٹر سلاطر ہیں۔ میرے گھر مہمان ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"سلاطر کچھ عجیب سا نام ہے انکل۔"

"ہاں، میرے دوست صرف عجیب چیزیں پسند کرتے ہیں، اس لیے نام بھی اپنے لیے عجیب سا پسند کیا ہے۔" کوکب طیاری نے کہا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر سلاطر۔" فرزانہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"شکریہ۔" اب مسٹر سلاطر نے نظریں اوپر اٹھائیں اور اس لمحے فرزانہ نے اپنے جسم میں سنسنی کی لہریں دوڑتی محسوس کیں۔ اسے عمرانہ کا خیال سو فیصد درست لگا۔ اسی وقت عمرانہ کتاب لیے آتی نظر آئی۔

''تمہارا خیال ٹھیک تھا فرزانہ، یہ رہی تمہاری کتاب۔''
''شکریہ، میں تو سمجھ رہی تھی، شاید آج نئی کتاب خریدنا پڑ
ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
''ارے ارے، فرزانہ بیٹی چائے پی کر جانا۔ چائے ابھی لگنے ہی والی
''شکریہ انکل، اباجان میرا چائے پر انتظار کرتے رہ
میں یہی کہہ کر آئی ہوں کہ ابھی واپس آ جاؤں گی۔''
''اچھا بیٹی، جیسے تمہاری مرضی۔''
ان سے رخصت ہو کر وہ دروازے کی طرف چل پڑی۔ عمرانہ
تک رخصت کرنے آئی۔ دروازے کے نزدیک پہنچ کر اس نے دبی آواز
''کیوں فرزانہ، کیا خیال ہے؟''
''ہم... میں... میں بھی خوف زدہ ہوں عمرانہ۔''
اس نے کہا اور تیزی سے سڑک کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆

محمود اور فاروق نیشنل پارک سے نکلے۔ یہاں تک آنے جانے
موٹر سائیکلیں استعمال نہیں کرتے تھے، کیونکہ اس طرح ان کی سیر بھی ہو جاتی
''کیوں نہ آج ہم فرزانہ کو الو بنائیں۔'' فاروق گنگنایا۔
''فرزانہ کو الو بنانا اتنا آسان نہیں۔'' محمود نے منہ بنایا۔
''چلو تھوڑا بہت مشکل ہوگا، بنایا تو جا سکتا ہے۔ یار بہت
''کیا تمہارے ذہن میں کوئی خاص ترکیب آئی ہے؟''
''خاص ترکیبیں تو فرزانہ نے ہی اپنے قبضے میں کر رکھی
عام ترکیب سے کام لینا پڑے گا۔'' فاروق نے بے چارگی کے عالم میں

''چھوڑو یار، ورنہ کرو، کہیں اسے الو بناتے بناتے ہم خود الو نہ بن جائیں۔''
''ہاں، ممکن تو یہ بھی نہیں۔ سنو، میں نے سوچا ہے۔ آج ایک جھوٹ
موٹ کا کیس فرزانہ کے سامنے رکھیں۔'' فاروق بولا۔
''جھوٹ موٹ کا کیس، کیا مطلب؟'' محمود چونکا۔
''یار تم جھوٹ موٹ کا کیس بھی نہیں سمجھتے۔'' فاروق نے جلے بھنے انداز
میں اسے گھورا۔ جواب میں محمود نے بھی اسے گھورا اور بولا۔
''سمجھتا ہوں، چلو بتاؤ تو تمہارے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی ہے؟''
''کھچڑی پک رہی ہوگی تمہارے سر میں۔'' فاروق جھلا اٹھا۔
''وقت ضائع کیا۔ ارے میں محاورۃً کہہ رہا ہوں۔'' اس نے بھی جھلا کر
ران پر ہاتھ مارا۔
''یہ محاورے بھی ہماری گفتگو میں بات بے بات ٹپک پڑتے ہیں، اس طرح جیسے
ٹپک پڑنے کے انتظار میں ہی بیٹھے ہوں۔ خیر سنو، میں کیا چاہتا ہوں۔ ہم گھر چل کر یہ
ظاہر کریں گے، جیسے ساحل سمندر پر ہم نے کوئی پراسرار نقل و حرکت نوٹ کی ہو۔''
''لیکن ہم ساحل سمندر سے نہیں، نیشنل پارک سے واپس جا رہے ہیں۔''
محمود نے اعتراض کیا۔
''بھئی الو جو بنانا ہوا۔ بعد میں اسے بتا دیں گے۔''
''خیر، آگے کہو۔''
''اس طرح وہ ہمارے ساتھ ساحل سمندر پر جانے کے لیے تیار ہو جائے
گی، لیکن ظاہر ہے، وہاں کچھ بھی نہیں ہوگا اور جب ہم دونوں قہقہہ مار کر ہنسیں گے تو
اس وقت اس کی کیا کیفیت ہوگی۔ یہ تم سوچ ہی سکتے ہو۔''
''ہوں، بات تو ٹھیک ہے، لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ گھڑی میں ہمارے منصوبے

کی تہہ تک نہ پہنچ جائے۔ تم تو جانتے ہی ہو وہ اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہے۔"

"لیکن ہم اڑتی چڑیاں نہیں ہیں۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"خیر خیر، مجھے کچھ سوچنے دو۔" اور واقعی اس انداز سے سوچ میں گم ہو گیا، جیسے کوئی سنگین مسئلہ درپیش ہو۔ فاروق بُرے بُرے منہ بناتا قدم اٹھانے لگا۔ اچانک محمود نے چٹکی بجائی اور ساتھ ہی فاروق نے کہا:

"وہ مارا۔"

"کیا مطلب؟"

"تمہارے چٹکی بجانے کا مطلب یہی ہے کہ کوئی زوردار ترکیب تمہاری سمجھ میں آگئی ہے۔"

"ہاں، لیکن وہ مارا تو میں کہنے والا تھا۔" محمود نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"کچھ لوگ دوسروں کے منہ کی بات چھین لیتے ہیں۔ تم نے گفتگو کے دوران لوگوں کو یہ کہتے ضرور سنا ہوگا کہ تم نے تو میرے منہ کی بات چھین لی، لہٰذا اس وقت بھی یہی ہوا ہے۔ میں نے بھی تمہارے منہ کی بات چھین لی۔" فاروق شریر انداز میں کہتا چلا گیا۔

"بال کی کھال اتارنے کا جنون تمہیں آتا ہے، شاید ہی کسی دوسرے کا ہو گا۔ کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ میری ترکیب پر عمل کیے بغیر تم اس منصوبے پر کامیابی سے عمل پیرا نہیں ہو سکتے۔"

"ہم تمہاری ترکیب سننے کے لیے سچے دل سے ہلکے پھلکے کانوں سے تیار ہوں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا اور محمود اسے اپنی ترکیب بتانے لگا۔ عین اسی وقت فاروق کی نظر پاس سے گزرتے ایک رکشا پر پڑی۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا:

"ارے۔"

"کیا ہوا؟"

"اس رکشے میں فرزانہ تھی۔ ارے۔" فاروق کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"اور یہ دوسرا ارے کس خوشی میں تمہارے منہ سے نکلا۔" محمود نے اسے گھور کر دیکھا۔

"رکشا کے تعاقب میں ایک ٹیکسی ہے۔ وہ دیکھو، ٹیکسی کی رفتار بہت کم ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور اگر چاہے تو نہایت آسانی سے رکشے سے آگے نکل سکتا ہے۔"

"اوہ، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ٹیکسی واقعی رکشا کا تعاقب کر رہی ہے، لیکن مجھے یہ بات معلوم نہیں کہ اس رکشے میں فرزانہ ہی ہے، کیونکہ میرے خیال میں تو فرزانہ کو اس وقت ہمارے اور ابا جان کے انتظار میں چائے کی میز پر ہونا چاہیے۔"

"چائے کی میز پر تو اسے میرے خیال میں بھی ہونا چاہیے اس میں کونسی عجیب بات ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"خیر آؤ، تیز تیز قدم اٹھائیں، ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔"

رکشا اور ٹیکسی اس وقت تک ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ دونوں نے قریب سے گزرتی ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ گئے۔ دوسرے ہی لمحے ٹیکسی چل پڑی۔

"جس وقت وہ اپنی گلی میں مڑے، انہوں نے ایک ٹیکسی کو موڑ پر کھڑے دیکھا۔ وہ بھی چند قدم آگے جا کر ٹیکسی سے اتر گئے۔ اسی وقت انہوں نے ایک رکشے کو اندر سے سڑک کی طرف آتے دیکھا۔ رکشے میں اب کوئی سواری نہیں بیٹھی تھی۔ انہوں نے گردنیں گھما کر دیکھا، ٹیکسی کے پاس ایک لمبے قد کا آدمی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا اور اس کی نظریں اس رکشے پر لگی تھیں۔

☆☆☆

فکر کا نام

''یار، یہ کیا چکر ہے۔'' فاروق دبی آواز میں بولا۔

''لمبا آدمی ضرور ٹیکسی میں اس رکشے کا تعاقب کرتا ہوا آیا ہے۔ خدا جانے فرزانہ کہاں گئی تھی، آؤ جلدی کرو۔''

دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے گھر تک پہنچے اور پھر محمود نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ دروازہ فوراً ہی کھلا اور انہیں فرزانہ کی صورت دکھائی دی۔ محمود نے صاف محسوس کیا کہ فرزانہ کسی حد تک خوف زدہ ہے۔ یہ دیکھ کر اسے بہت حیرت ہوئی، تاہم اس نے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ اس نے یہ بات بھانپ لی ہے۔

''ہیلو فرزانہ، معلوم ہوتا ہے، ابھی ابا جان نہیں آئے۔''

''نہیں، آج تم چند منٹ پہلے آگئے۔ خیر تو ہے۔''

''ہاں، بس کام ختم ہو گیا تھا۔'' محمود نے اٹک اٹک کر کہا۔ اس نے اب اپنی ترکیب پر عمل شروع کر دیا تھا۔

''یہ تم جملے کے ٹکڑے کیوں اڑائے دے رہے ہو۔'' فرزانہ نے اسے گھورا۔

''کچھ نہیں، کچھ بھی تو نہیں۔''

یہ کہہ کر وہ اس کے پاس سے گزرتا میز کی طرف بڑھا۔ فاروق نے بھی اس

کا ساتھ دیا۔ فرزانہ نے دونوں کو عجیب سی نظروں سے دیکھا اور پھر سر جھٹک کر ان کے پاس پہنچ گئی۔ اسی وقت اندر سے بیگم جمشید کی آواز آئی:

''یہ دونوں آگئے فرزانہ۔''

''جی ہاں۔'' فرزانہ نے کہا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ محمود نے ریسیور اٹھایا اور بولا:

''ہیلو، یہ انسپکٹر جمشید کا گھر ہے۔ آپ کون ہیں اور کس سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''محمود، چائے پر میرا انتظار نہ کرنا۔ میں دفتر میں بہت مصروف ہوں۔ یہاں ایک ضروری میٹنگ ہو رہی ہے، نہ جانے کب ختم ہو، اس لیے تم چائے پی لینا۔'' دوسری طرف سے انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

''بہت بہتر ابا جان۔'' اس نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ بند ہونے کی آواز سن کر ریسیور رکھ دیا۔

''ابا جان تو دفتر میں بہت مصروف ہیں۔ اس لیے ہمیں ان کے بغیر ہی چائے پینی پڑے گی۔''

جلدی بیگم جمشید چائے لے آئیں۔ فارغ ہوتے ہی محمود نے عجیب سے انداز میں کہا:

''فاروق تم میرے ساتھ آؤ۔'' اور اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا۔

فاروق اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا اور پھر محمود نے اپنا منہ اس کے کان سے لگا دیا۔ پروگرام کے مطابق وہ چند سیکنڈ تک کھسر پھسر کرتا رہا، پھر منہ اس کے کان پر سے ہٹاتے ہوئے بولا:

''بس اسے ہوا نہیں لگنی چاہیے۔''

"ٹھیک ہے، تم فکر نہ کرو۔" فاروق نے کہا۔

"میں ابھی امی جان سے اجازت لیتا ہوں جاکر۔" محمود اٹھ کر والدہ کی طرف بڑھا اور پھر باہر نکل آیا۔ ان کی والدہ ابھی تک چائے کی ٹرے پر سوچ رہی تھیں۔

"امی جان، ذرا ہم اپنے ایک دوست سے ملنے جا رہے ہیں، ساتھ ہی تھوڑی دیر تک آ جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے بیٹا۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

دونوں دروازے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ فرزانہ کی ناخوشگوار آواز نے ان کے قدم جکڑ لیے۔

"کیا دوست کا نام اور پتا نہیں بتاؤ گے۔ مصیبت میں پھنسنے کی صورت میں ہم مدد کو تو پہنچ سکتے ہیں۔"

دوست کے گھر بھلا مصیبت کا کیا کام۔" محمود نے گردن گھما کر جواب دیا۔ اور پھر دونوں باہر نکل آئے۔ انہوں نے موٹر سائیکلوں پر سفر کرنے کا پروگرام بنایا تھا، لہٰذا اپنی موٹر سائیکلیں نکالیں اور روانہ ہو گئے۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ فرزانہ ہمارے پیچھے ضرور آئے گی۔"

"ہاں، اس میں کیا شک ہے۔ میں نے ڈرامہ ہی ایسا کھیلا ہے کہ وہ آئے گی ضرور، میں نے اسی لیے رفتار کم رکھی ہوئی ہے کہ وہ آسانی سے کوئی رکشا یا ٹیکسی پکڑ لے۔" محمود نے کہا۔

جلد ہی انہوں نے ایک رکشے کو اپنے تعاقب میں محسوس کیا۔

"لو بھئی فرزانہ نے تعاقب شروع کر دیا ہے۔" محمود ہنسا۔

"اس کا مطلب ہے، آج ہم اسے الو بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔" فاروق نے بھی خوش ہو کر کہا۔

"ہاں، معلوم تو یہی ہوتا ہے، لیکن مجھے ایک فکر کھائے جا رہی ہے۔" محمود نے اچانک فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"مجھے اس فکر کا نام بتاؤ۔ میں اس سے نبٹ لوں گا اور اس انداز سے نبٹوں گا کہ اسے بھاگتے ہی بنے گی۔" فاروق نے سینہ پھلا لیا۔

"کہیں جواب میں فرزانہ بھی ہمیں الو نہ بنا دے۔"

"چلو خیر کوئی بات نہیں، ایک الو سے تین الو بھلے۔" فاروق مسکرایا۔

"مجھے ایک دوسری فکر بھی کھائے جا رہا ہے۔" محمود بولا۔

"یا اللہ، تم نے کتنے فکر پال لیے ہیں۔"

"آخر وہ لمبا آدمی کون تھا۔ اس نے فرزانہ کا تعاقب کیوں کیا تھا۔ فرزانہ اس وقت کہاں گئی تھی؟"

"یہ ایک فکر تو نہ ہوا، یہ تو ایک ہی وقت میں تین فکر ہو گئے۔" فاروق نے کہا۔

"یار کبھی کوئی بات سنجیدگی سے بھی سوچ لیا کرو۔"

"میں ایک بات سنجیدگی سے بھی سوچ رہا ہوں۔" فاروق نے جواب دیا۔

"یہ جان کر خوشی ہوئی۔" محمود جلے کٹے انداز میں بولا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ہم کون سے ساحل پر جائیں۔" فاروق سوچ میں گم لہجے میں بولا۔

"صاف ظاہر ہے، ہم کسی سنسان ترین ساحل پر ہی جا سکتے ہیں، جہاں آدمی نہ آدمی کی ذات نظر آ سکے اور ایسا ساحل بہت دور ہے۔" محمود بولا۔

"کوئی بات نہیں، موٹر سائیکلوں میں پٹرول بہت ہے۔ آج فرزانہ کو پوری طرح الو بنائیں گے۔ جوابی حملہ تو اسے کرنا ہی ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"لیکن اگر آج ابا جان گھر آ گئے ہوتے تو شاید ہم اتنی آسانی سے اپنے منصوبے پر عمل نہ کر پاتے۔ اس صورت میں ہوتا یہ کہ ابا جان ہمارے ارادے کو ضرور بھانپ لیتے۔"

"فرزانہ کا چہرہ اس وقت دیکھنے کے قابل ہوگا، جب اسے پتا چلے گا کہ ہم اسے اتنی دور بلاوجہ ہی کھینچ لائے۔"

"اور جب اسے یہ یاد آئے گا کہ اس نے رکشے کا لمبا چوڑا بل بھی ادا کیا ہے تو غصے سے اس کی حالت اور بھی ردی ہو جائے گی۔" محمود ہنسا۔

"لیکن یار، کہیں ہم یوں ہی خوش نہ ہو رہے ہوں اور فرزانہ گھر سے چلی ہی نہ ہو۔"

"نہیں، ہمارے پراسرار انداز نے اسے گھر کی کھڑکی تک آنے پر مجبور کر دیا ہوگا، پھر اس نے ہمیں کھسر پھسر کرتے بھی ضرور دیکھا ہوگا۔ اس کے بعد جب ہم دونوں گھر سے نکلے ہوں گے تو وہ کسی طرح بھی گھر میں نہیں رکی ہوگی۔"

"گویا ہمارے پیچھے آنے والا رکشا فرزانہ کا ہی ہے۔" فاروق بولا۔

"ہاں، مجھے یقین ہے۔"

ان کا سفر تقریباً پینتالیس منٹ تک جاری رہا۔ آخر وہ ایک بالکل سنسان اور بے آباد ساحل پر پہنچ گئے۔ اس طرف سیر و تفریح کرنے والی پارٹیاں بھی نہیں آتی تھیں، لہٰذا یہاں ہُو کا عالم طاری تھا۔

"بس اب ہمیں کسی ٹیلے کے پیچھے چھپ جانا چاہیے، تا کہ فرزانہ کا چھوڑ دے۔" محمود بولا۔

انہوں نے رفتار کم کی اور ایک ٹیلے کے پیچھے نیچے اتر آئے۔ موٹر سائیکلیں انہوں نے ریت پر لٹا دیں، تا کہ آس پاس سے نظر نہ آ سکیں۔ چار منٹ بعد رکشے کے

انجن کی آواز سنائی دی۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے، پھر رکشا رک گیا۔ تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی۔ آخر رکشے کا انجن ایک بار پھر جاگا اور اس کی آواز دور ہوتی چلی گئی۔ دونوں کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ ان کی کمروں کی طرف سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور ان کے منہ ٹیلے کی اوٹ لیے اس طرف تھے جس طرف فرزانہ کا رکشا رکا تھا۔ دونوں دم سادھے پنجوں کے بل بیٹھے رہے۔ آخر فرزانہ کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔ میں حیران ہوں کہ تم اس طرف کیوں آئے ہو، وہ کیا چیز ہے جس نے تمہیں یہاں آنے پر مجبور کیا ہے۔"

آواز پیچھے سے آئی تھی۔ وہ چونک کر مڑے۔ انہوں نے دیکھا فرزانہ ان کے سامنے سمندر اور ان کے درمیان کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ طنز بھی تھا، گویا وہ کہہ رہی تھی۔

"دیکھا، تم ٹیلے کے پیچھے چھپے ہوئے تھے، میں چکر کاٹ کر تمہارے پیچھے پہنچ گئی اور تمہیں کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی۔" پھر اس سے پہلے کہ فرزانہ کچھ اور کہتی، یا وہ اس کی بات کا جواب دیتے، سمندر میں ایک موٹر بوٹ کی تیز آواز سنائی دینے لگی۔ فرزانہ چونک کر اس طرف مڑی۔ محمود اور فاروق نے بھی حیران ہو کر ادھر دیکھا، کیونکہ اس علاقے میں کوئی شخص بھی آنا پسند نہیں کرتا تھا۔

انہوں نے دیکھا، ایک بڑی سی موٹر بوٹ تیزی سے کنارے کی طرف چلی آ رہی تھی، لیکن ابھی وہ بہت دور تھی۔

"ہمیں فوراً اس ٹیلے کے دوسری طرف ہو جانا چاہیے۔ کہیں یہ ڈاکوؤں کی لانچ نہ ہو۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔" فرزانہ بولی۔

محمود اور فاروق نے جلدی جلدی سوٹ سائیکلیں اٹھائیں اور تینوں ٹیلے کے دوسری طرف پہنچ گئے۔

اب سمندر اور ان کے درمیان ٹیلہ تھا اور وہ اس کی اوٹ سے موٹر بوٹ کو آتے دیکھ رہے تھے۔ محمود اور فاروق تیزی سے یہ سوچنے میں مصروف تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ وہ تو یہاں فرزانہ کو الو بنانے آئے تھے، پھر موٹر بوٹ یہاں کہاں سے آ ٹپکی۔ انھیں ان موٹر بوٹوں کے بارے میں یاد آیا، جن کے ذریعے اسمگلنگ زور شور سے کی جاتی تھی۔ ابھی کنرے موٹر بوٹ کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ وہ کنارے سے آ لگی اور اس میں سے تین ایسے آدمی کنارے پر اتر آئے جو غوطہ خوروں کے لباس میں تھے۔ ان کے جسموں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ البتہ ان کے ساتھ ایک چوتھا آدمی بھی تھا۔ اس کے جسم پر غوطہ خوری کی بجائے عام لباس تھا۔ کنارا اس جگہ سے کافی دور تھا، اس لیے اس کے نقوش نظر نہیں آ رہے تھے۔ باقی تینوں تو پھر تھے ہی غوطہ خوری کے لباس میں۔

وہ چاروں آہستہ آہستہ ان کی طرف آنے لگے، پھر بائیں ہاتھ مڑ گئے۔ اسی وقت محمود اور فاروق نے فرزانہ کو کہتے سنا:

"اف خدا، یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔"

محمود اور فاروق کو فرزانہ کے جملے پر بہت حیرت ہوئی، کیونکہ جو کچھ وہ دیکھ رہے تھے، وہی کچھ فرزانہ بھی دیکھ رہی تھی، پھر اس کے منہ سے یہ بات کیوں نکلی تھی۔ اف خدا، یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ ابھی وہ حیرت بھرے انداز میں انھیں آتے دیکھ ہی رہے تھے کہ فرزانہ کی سرگوشی ابھری!

"تم اس شخص کو کیسے جانتے ہو، جلدی بتاؤ۔"

"کس شخص کی بات کر رہی ہو؟" فاروق نے ہکلا کر کہا۔

"محمود پر قابو رکھو، اگر ذرا سی تیز لہجے میں بات کی تو بہت بری طرح پیش آؤں گی۔ میں اس شخص کی بات کر رہی ہوں جو غوطہ خوری کے لباس میں نہیں ہے۔" فرزانہ نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"زیادہ جھلانے کی ضرورت نہیں، ہم نہیں جانتے یہ کون ہے۔"

"اگر نہیں جانتے تو یہاں کیا لینے آئے ہو۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ہم یہاں صرف تمہیں الو بنانے آئے ہیں۔"

"الو، کیا مطلب؟ بھلا یہاں آ کر میں الو کس طرح بن سکتی ہوں۔" فرزانہ چونکی۔

"تم یہی سمجھ کر ہمارے تعاقب میں آئی ہو گی کہ ہم اس طرف کس چکر میں آئے ہیں۔" محمود نے اس بحث میں پہلی مرتبہ دخل دیا۔

"چلو، یہی سمجھ لو۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن ہم یہاں کسی چکر میں نہیں آئے۔ اپنے کمرے میں ہم نے جھوٹ موٹ کی کھسر پھسر کی تھی۔"

"اوہ، اب سمجھی، تب پھر تم دونوں جہنم میں جاؤ۔" اس نے پیر پٹخ کر کہا اور ٹیلوں کی اوٹ لیتے ہوئے اس سمت میں چلنے لگی، جس طرف وہ چاروں موٹر بوٹ سے اتر کر گئے تھے۔

"ارے تم کہاں جا رہی ہو؟" فاروق بولا۔

"میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔" اس نے دبی آواز میں کہا۔

"سوال یہ ہے کہ تم نے ان لوگوں کو دیکھ کر یہ کیوں کہا تھا، اف خدایا، میں یہ کیا دیکھ رہی ہوں۔" محمود بے چین ہو کر بولا۔

"میری مرضی، میری جو جی میں آیا، میں نے کیا۔ تم دونوں مجھے الو بنا چکے ہو۔ میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں الو ہوں۔ میں واقعی تمہاری چال میں آ کر یہاں تک چلی آئی۔ لہٰذا اب میرا پیچھا چھوڑ دو اور مجھے خاموشی سے ان لوگوں کا تعاقب کرنے دو۔"

"لیکن کیوں، تمہیں ان لوگوں میں کیا خاص بات نظر آئی ہے۔" محمود نے بھی اس کے پیچھے قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ خاص بات نہیں کہ اس سنسان ساحل پر یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟" فرزانہ نے گردن گھما کر اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"ہاں، یہ بات تو ہے، تو کیا تم اتنی سی بات پر چونکی تھیں۔" فاروق نے قدرے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"تم چاہو تو اس سے کسی بہت بڑی بات پر چونک سکتے ہو، یا اس سے بھی کسی معمولی بات پر اپنی ٹی گم کر سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے رفتار بڑھا دی۔ دونوں بھلا اس کا پیچھا کہاں چھوڑنے والے تھے۔ غوطہ خوروں کی جھلک انہیں کبھی کبھی نظر آ جاتی تھی۔ وہ ایک سمت میں بڑھ رہے تھے۔

آخر انہیں ایک بہت لمبا چوڑا، لیکن ٹوٹا پھوٹا سا ہٹ نظر آیا۔ انہوں نے دیکھا غوطہ خور اور چوتھا آدمی اس ہٹ میں داخل ہو رہے تھے۔

☆☆☆

لمبا آدمی

آئی جی صاحب کے کمرے میں اس وقت تمام آفیسروں کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ ان آفیسروں میں یہ کس طرح ممکن تھا کہ انسپکٹر جمشید شامل نہ ہوتے۔ پندرہ منٹ پہلے سب لوگ میٹنگ روم میں داخل ہوئے تھے تو کسی کو بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ میٹنگ کس لیے بلائی گئی ہے۔ اس وقت آئی جی صاحب نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

"ہمارے بہت ہی خاص غیر ملکی جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ ہمارے ملک میں ایک بہت خطرناک آدمی کو بھیجا گیا ہے۔ اسے کیوں بھیجا گیا ہے، یہ ہمارے جاسوس پوری کوشش کے باوجود بھی معلوم نہیں کر سکے، تاہم اس بات کا انہیں سو فیصد یقین ہے کہ بھیجا اسے بہت ہی خاص مقصد کے تحت گیا ہے۔ آپ لوگوں کو زحمت اس لیے دی گئی ہے کہ چوکس ہو جائیں اور جیسے بھی ممکن ہو، اس جاسوس کو گرفتار کر لیں، تاکہ وہ ہمارے ملک کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے۔"

"اس جاسوس کے بارے میں اور کیا معلومات فراہم کی گئی ہیں؟"

"وہ معمولی جسامت کا آدمی ہے۔ دیکھنے میں بالکل بے ضرر نظر آتا ہے۔ عام آدمی اسے دیکھ کر اس کے بارے میں کوئی خاص رائے قائم نہیں کر سکتا۔ اس کی آنکھیں سبز ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے سبز آنکھوں سے مقناطیسی شعاعیں نکل

رہی ہوں اور آس پاس والوں کو زیرِ اثر لے رہی ہوں۔ ہمارے جاسوسوں کا یہ کہنا ہے کہ اس کی صرف آنکھیں ہی اس حد تک خطرناک ہیں کہ وہ ان کی مدد سے بڑے سے بڑے دشمن کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیتا ہے۔ آنکھوں کے علاوہ اس کا جسم گویا بالکل کا بنا ہوا ہے یا پھر پارے کا۔ اس کے جسم پر قابو پانا انتہائی مشکل ہے، گولی سے خود کو اتنی آسانی سے بچا لیتا ہے، جیسے کسی چھوٹے سے بچے کی چھڑی کے وار سے ایک اس سے بڑا بچہ۔ اس کے جبڑوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی ہیں۔ رنگ قدرے زردی مائل ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی۔''

''اور کیا یہ بات بھی یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ ہمارے ملک میں داخل ہو چکا ہے۔''

''ہاں، اگر ہمارے جاسوس اس کے داخل ہونے سے پہلے اطلاع دے دیتے تو ہم اسے داخل ہوتے ہی گرفتار کر سکتے تھے، لیکن اب معلوم نہیں وہ کہاں پہنچ چکا ہے۔''

''میرے خیال میں تو اس کی تلاش بہت آسان ثابت ہوگی، کیونکہ سبز آنکھوں والے ہمارے ہاں شاید صرف چند غیر ملکی ہوں گے۔'' انسپکٹر فضل بولا۔

''یہ ضروری نہیں کہ اب بھی اس کی آنکھوں کا رنگ سبز ہو۔ ہو سکتا ہے اس نے کسی لوشن کے ذریعے آنکھوں کے رنگ میں تبدیلی کر لی ہو۔'' ڈی آئی جی بولے۔

''یہ تو صرف اس صورت میں ہوگا، اگر اسے بھی یہ اطلاع مل گئی ہو کہ اس کے بارے میں یہاں خبر آ چکی ہے۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''ہاں جمشید، تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمام اہم مقامات پر نگرانی کے لیے سادہ لباس والے مقرر کر دیے جائیں۔ ہیڈ آفس سے ان کا وائرلیس پر ہر وقت رابطہ قائم رہے۔ جونہی وہ جاسوس نظر آئے، فوراً سب کو اطلاع

دے دی جائے اور اسے فرار ہونے کا موقع نہ دیا جائے۔''

''ٹھیک ہے سر، ہم اسی وقت سے یہ کام شروع کر دیتے ہیں۔''

''میں چاہتا ہوں، آپ سب آج یہاں سے گھروں کو نہ جائیں۔ انتظامات میں لگ جائیں۔'' آئی جی صاحب بولے۔

''ٹھیک ہے سر، آپ فکر نہ کریں۔''

''تو پھر جائیے، جس قدر جلد ممکن ہو اس جاسوس کو گرفتار کر لیجیے۔''

''سر، آپ نے ابھی تک اس کا نام نہیں بتایا۔''

''ہاں، اس کا نام سالار بتایا جاتا ہے۔''

''کیا؟'' انسپکٹر جمشید کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا اور پھر ان کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیلتی چلی گئیں، لیکن کمرے میں موجود سب لوگ دیکھ رہے تھے کہ حیرت سے زیادہ ان کی آنکھوں میں پریشانی کے تاثرات تھے۔

☆☆

''اب کیا ارادے ہیں؟'' محمود نے پوچھا۔

''کچھ بھی ہوں، تمہیں کیا۔ یہ بات واضح رہے، میں تمہارے ساتھ نہیں آئی ہوں۔'' فرزانہ کا موڈ ابھی تک آف تھا۔

''اب اتنی جھنجلاہٹ بھی نہ جھاڑو۔ یہ تو سوچو کہ ہماری اس حرکت سے تم یہاں پہنچ گئی ہو، جہاں تمہارے خیال کے مطابق کچھ لوگ غیر قانونی سرگرمیوں میں مبتلا ہیں۔'' فاروق نے بھی جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ارے ہاں فرزانہ، ایک بات تو رہ ہی گئی۔'' محمود کو اچانک یاد آیا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ بات پوری کرتا، فرزانہ نے درمیان میں ٹانگ اڑا دی۔

''ایک رہ گئی ہو یا دس، مجھے اس سے کیا۔''

"اوہو، معلوم ہوتا ہے، آج تمہارا پارہ نیچے نہیں کرے گا۔ خیر، تمہاری مرضی ہے۔ سنو یا نہ سنو، لیکن میں بتائے بغیر نہیں رہ سکتا، کیونکہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ تم خطرے کی زد میں ہو اور میں تمہیں خبردار نہ کروں۔ تم آج گھر سے باہر جہاں گئی تھیں۔ واپسی پر ہم نے تمہارے رکشے کا ایک ٹیکسی کو تعاقب کرتے دیکھا تھا۔ پھر میں اس ٹیکسی سے ایک لمبے قد کا آدمی اتر کر ہماری گلی کے موڑ پر کھڑا رہا تھا اور ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ کیا خبر وہ یہاں تک بھی تمہارے تعاقب میں آیا ہو۔"

"کیا یہ بھی مجھے الو بنانے کے پروگرام کا ایک حصہ ہے۔" فرزانہ جلے بھنے لہجے میں بولی۔

"ارے نہیں، اس بات کو جھوٹ نہ سمجھو۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"تو کیا واقعی کسی لمبے آدمی نے میرا تعاقب کیا تھا؟" فرزانہ کے لہجے میں الجھن شامل ہو گئی۔

"ہاں، اس میں ایک فیصد بھی جھوٹ نہیں ہے۔" یہ کہہ کر اس نے جلدی جلدی عمرانہ کے گھر جانے کے بارے میں بتایا پھر بولی:

"اگر یہ سچ ہے کہ میرا تعاقب کیا گیا ہے تو ہمیں محتاط ہو جانا چاہیے تم سے بدلہ میں پھر کسی موقعے پر لے لوں گی۔ مہربانی فرما کر ذرا اپنے پیچھے اچھی طرح جائزہ لے لو۔ کہیں وہ لمبا آدمی ٹیلوں کی اوٹ لے کر ہماری طرف تو نہیں بڑھ رہا۔"

"اوہ ہاں۔" دونوں ایک ساتھ بولے اور پھر مڑ کر چاروں طرف غور سے دیکھنے لگے۔

سورج اب غروب ہو چلا تھا اور تاریکی پھیلنے لگی تھی۔ دور دور تک دیکھنے کے بعد وہ مڑے اور پھر چونک اٹھے۔ فرزانہ اب وہاں نہیں تھی۔

"شیطان کی خالہ آخر چکر دے ہی گئی نا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"لیکن اس وقت وہ اس ہٹ تک ہی جا سکتی ہے، آؤ ہم بھی ہٹ سے نزدیک ہونے کی کوشش کریں۔"

دونوں دبے پاؤں آگے بڑھے۔ فرزانہ ہٹ کے آس پاس کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ انہوں نے دروازے کی طرف جانا مناسب نہ سمجھا۔ چکر کاٹ کر ہٹ کے پچھلے حصے تک پہنچے۔ ہٹ لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ پہلے تو دونوں نے فرزانہ کی تلاش میں نظریں دوڑائیں اور پھر ہٹ کی دیواروں سے کان لگا دیے۔ لیکن آواز سنائی نہ دی۔ اب انہوں نے ہٹ کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا۔ آخر ایک کھڑکی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے کھڑکی کی جھری میں سے اندر جھانکا اور یہ دیکھ کر چونک اٹھے کہ تینوں غوطہ خور اور چوتھا آدمی ہٹ کے اسی کمرے میں تھے۔ چوتھا آدمی انگریزی میں کہہ رہا تھا:

"جگہ کی نشان دہی میں کر چکا ہوں۔ تم آج کی پوری رات لگاؤ گے۔"

"آپ فکر نہ کریں، ہم اسے تلاش کر کے چھوڑیں گے۔" ایک غوطہ خور نے انگریزی میں ہی جواب دیا۔

"میں صبح سویرے یہاں پہنچ جاؤں گا اور رات بھر کے کام کی رپورٹ تم سے لوں گا۔ میں رات کو یہاں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا۔ تم لوگ خوف زدہ تو نہیں ہو۔" چوتھے آدمی نے کہا۔

"جی نہیں، لیکن اگر آپ یہیں موجود رہتے تو ہمارے حوصلے بہت بلند رہتے۔"

"مجھے شہر کی صورت حال معلوم کرنے کے لیے جانا ہی ہوگا۔ ہو سکتا ہے، میں رات میں کسی وقت واپس پہنچ جاؤں۔"

"لیکن سر، شہر کی صورت حال سے آپ کی کیا مراد ہے؟" ایک غوطہ خور

نے پوچھا۔

"ہمارے ملک میں بھی دوسرے ملکوں کے جاسوس موجود ہیں اگر انہوں نے میری وہاں عدم موجودگی محسوس کر لی تو اپنے اپنے ملک کو سب خبر دار کر دیں گے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ ایسی کوئی خبر یہاں موصول ہوئی ہے یا نہیں۔"

"لیکن آپ یہ بات کس طرح معلوم کریں گے؟"

"دماغ سے کام لے کر۔ تمہیں اس سلسلے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"جی بہتر، جیسے آپ کی مرضی۔"

اسی وقت ہٹ کے دوسری طرف قدموں کی آواز ابھری اور پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ تینوں غوطہ خور چونکے بغیر نہ رہ سکے، لیکن چوتھا آدمی پرسکون انداز میں بولا:

"دروازہ کھول دو، یہ ضرور تام ہوگا میں نے اسے ایک کام سے بھیجا اور ہدایت دی تھی کہ رپورٹ یہاں پہنچ کر دے۔"

یہ سن کر ایک غوطہ خور اٹھا اور پھر تھوڑی ہی دیر میں وہی لمبا آدمی اندر داخل ہوا، جسے محمود اور فاروق نے اپنی گلی کے موڑ پر دیکھا تھا۔ اسے دیکھ کر ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ اس لمبے انہوں نے شدید الجھن اور بے چینی محسوس کی۔ یہ بات سامنے آنے پر اس بے چینی میں اور بھی اضافہ ہو گیا کہ فرزانہ اس وقت نہ جانے کہاں موجود ہے۔

انہوں نے دیکھا، لمبا آدمی چوتھے آدمی کے کان میں کچھ کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

سلاٹر

"آپ تو اس طرح چونکے ہیں، جیسے آپ کو بجلی کا جھٹکا لگ گیا ہو۔"

انسپکٹر فضل نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ آپ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ آپ نے سلاٹر کے بارے میں کچھ نہیں سُن رکھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو کیا آپ نے سلاٹر کے بارے میں بہت کچھ سُن رکھا ہے۔" انسپکٹر فضل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یہ صرف سُن رکھا ہے، بلکہ میرے پاس ایک دو غیر ملکی رسائل ایسے بھی نکل آئیں گے، جن میں اس کے بارے میں بہت کچھ شائع ہو چکا ہے۔" انہوں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"ویری گڈ جمشید، پھر تو ان رسائل سے ضرور کچھ مدد مل سکتی ہے۔"

"جی ہاں، یقیناً۔ میں اسی وقت گھر جا کر ان رسائل کا مطالعہ کروں گا، تاہم بہت سی باتیں مجھے یاد ہیں، اسی لیے میں چونکا تھا۔ سلاٹر کو عام طور پر اپنی مخالف حکومتوں کے تختے الٹنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہمارا دشمن ملک جو دنیا کے بڑے ملکوں میں سے ایک ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ فلاں ملک اس کی پالیسیوں کے خلاف چل رہا ہے تو اس کی حکومت کو درہم برہم کرنے کا منصوبہ بناتا ہے اور اس

منصوبے کی باگ ڈور سلاٹر کے ہاتھ میں دے کر یہ یقین کر لیتا ہے کہ بس اس کا تختہ الٹ گیا۔ سلاٹر وہ آدمی ہے جو آج تک کسی ملک کی پولیس کے قابو میں نہیں آیا۔ مختلف ملکوں کی سراغ رساں ٹیموں، سادہ لباس والوں اور خصوصی تربیت پانے والے کارکنوں نے اسے گرفتار کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، لیکن آج تک اسے تھوڑی دیر کے لیے بھی گرفتار نہیں کر سکے۔ سنا ہے، اس کا جسم بجلی کی سی تیزی سے حرکت کرتا ہے۔ وہ ہاتھ کی ہڈی مار کر اپنے مقابل کی گردن توڑ دیتا ہے۔ اسے دوسرا ہاتھ مارنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس پر بیک وقت تین طرف سے فائر کیا جائے تو بھی وہ خود کو گولیوں سے بچا لیتا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود عجیب ترین بات یہ ہے کہ وہ معمولی سے جسم اور قد کا مالک ہے۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"یہ معلومات تو کافی ہو گئیں۔ اب اگر ہمیں کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ وہ یہاں آیا کس غرض سے ہے تو فوری طور پر اس کا پتا معلوم ہو سکتا ہے۔"

"مجھے تو آپ اجازت دیں۔ میں فوری طور پر گھر پہنچ کر ان رسائل کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔ شاید کچھ اور کام کی باتیں معلوم ہو جائیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ٹھیک ہے، تم جا سکتے ہو، بلکہ سبھی جا کر اپنے طور پر اس کوشش میں مصروف ہو سکتے ہیں۔" آئی جی صاحب نے کہا اور سب اٹھ کھڑے ہوئے۔

انسپکٹر جمشید نے اپنے کمرے میں آ کر اکرام کو کچھ ہدایات دیں اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ آج وہ ایک گھنٹا دیر سے گھر جا رہے تھے۔ انہوں نے سوچا محمود، فاروق اور فرزانہ اور بیگم چائے پی چکے ہوں گے اور اپنے اپنے کام میں مصروف ہوں گے۔

انہی خیالات میں گم سے وہ گھر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ گھنٹی کے جواب میں جب بیگم نے دروازہ کھولا تو انہوں نے حیران ہو کر کہا:

"یہ تینوں کہاں چل دیے؟"

"کچھ کہہ نہیں گئی۔ فرزانہ آج اپنی ایک سہیلی کے گھر تھوڑی سی دیر کے لیے گئی تھی۔ وہاں سے واپس لوٹی تو اسی وقت محمود اور فاروق آ گئے۔ آپ کا فون آیا کہ آپ دیر سے لوٹیں گے، لہٰذا ہم نے چائے پی لی۔ اس کے بعد محمود نے فاروق کو کچھ اشارا کیا اور دونوں اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ فرزانہ انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ جب انہوں نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا تو وہ بھی اٹھی اور ان کے کمرے کی طرف چل دی۔ تھوڑی دیر بعد محمود، فاروق میرے پاس آئے اور یہ کہہ کر چلے گئے کہ وہ ذرا دیر کے لیے باہر جا رہے ہیں۔ میں بھلا کیا اعتراض کرتی۔ آپ نے انہیں چھٹی ہی اتنی دے رکھی ہے۔ ان کے جانے کے فوراً بعد فرزانہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ امی میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ کہاں جاتے ہیں۔ میں اسے بھی نہ روک سکی اور وہ تینوں اب تک نہیں لوٹے۔ سورج غروب ہونے والا ہے۔" وہ جلدی جلدی کہتی چلی گئیں۔

"ہوں، چلو اندر تو چلو۔ میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اتنی لمبی چوڑی تفصیل دروازے پر ہی سنا دو۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ، مجھے افسوس ہے۔ دراصل میں ان کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔"

"اب ان کی وجہ سے اس قدر بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" انہوں نے کہا اور اندر چلے آئے، پھر صحن میں ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے:

"فرزانہ کس سہیلی کے گھر گئی تھی اور کیوں؟"

"کوئی عمرانہ کوکب ہے۔ اس کی کتاب شاید اس کے بستے میں چلی گئی تھی۔"

"عمرانہ کوکب، کوکب طیاری کی بیٹی تو نہیں۔"

"جی ہاں، وہی۔" انہوں نے کہا: "لیکن وہاں سے تو فرزانہ واپس آ گئی تھی۔ اور واپسی پر اس کے ہاتھ میں کتاب بھی تھی۔"

"خیر، کچھ دیر اور انتظار کر لیتے ہیں، اگر نہ آئے تو ان کے لیے بھی کچھ کروں گا۔"

"بھئی، یعنی آپ کو کچھ اور بھی کرنا ہے۔ ارے ہاں، آج دفتر میں دیر کیوں ہوئی؟"

"معلوم ہوا ہے کہ ایک خطرناک جاسوس ہمارے ملک میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس کا داخلہ خطرے کی گھنٹی بجا رہا ہے، الہٰذا دفتر میں میٹنگ ہوئی اور یہ طے پایا کہ اسے جلد از جلد گرفتار کر لیا جانا چاہیے۔ کہیں وہ ہمارے ملک کو نقصان نہ پہنچا دے۔ میں اسی سلسلے میں ذرا لائبریری تک جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اُٹھے اور لائبریری کی طرف چلے گئے۔ بیگم جمشید وہیں دروازے کی طرف منہ کیے بیٹھی رہیں۔

انسپکٹر جمشید کو چند منٹ کی تلاش کے بعد ہی وہ رسائل مل گئے، جن میں سلاٹر کے بارے میں شائع ہوا تھا۔ وہ ان کے مطالعے میں محو ہو گئے۔ وقت گزرتا چلا گیا، لیکن انہیں احساس بھی نہ ہو سکا اور جب وہ مطالعے سے فارغ ہوئے تو رات کے نو بج چکے تھے۔ اچانک انہیں محمود، فاروق اور فرزانہ کا خیال آیا۔ انہوں نے دروازہ کھولا اور باہر نکلے۔

"بیگم، یہ تینوں لوٹے یا نہیں۔"

"جی، ابھی تک نہیں۔" بیگم جمشید باورچی خانے سے بولیں: "کھانا تیار ہے، لگا دوں۔"

"نہیں، پہلے میں ان کی تلاش میں نکلوں گا۔ تمہیں بھوک لگی ہو تو تم کھا لو۔" یہ کہہ کر انہوں نے ٹیلی فون ڈائریکٹری میں جلدی جلدی کوکب طیاری کا پتا دیکھا اور باہر نکل آئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ آخر فرزانہ کوکب طیاری کے گھر کیوں گئی تھی، کیا صرف ایک کتاب لینے کے لیے۔ کتاب تو وہ دوسری بازار سے بھی خرید سکتے تھے، کیونکہ اتنی دور رکشے میں آنے جانے کا بل کتاب کی قیمت سے زیادہ بن جاتا ہے۔ ضرور کوئی اور بات تھی، اور پھر محمود اور فاروق کا پراسرار رویہ۔ یہ سب کچھ انہیں عجیب سا لگ رہا تھا۔

آخر انہوں نے جیپ کوکب طیاری کی کوٹھی کے سامنے روک دی اور نیچے اتر کر گھنٹی بجائی۔ جلد ہی گل نے دروازہ کھولا اور بولا:

"جی فرمائیے، آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

"میں فرزانہ کا والد ہوں۔ وہ آج شام یہاں آئی تھی، عمرانہ سے اپنی کتاب لینے۔ میں ذرا عمرانہ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں جناب، خیر تو ہے۔" گل نے پریشان ہو کر کہا۔

"پتا نہیں فرزانہ کہاں چلی گئی ہے۔" انہوں نے آواز کو پریشان بنا کر کہا۔

"آئیے میرے ساتھ۔" گل نے کہا اور انہیں عمرانہ کے کمرے تک لے آیا۔

"ابھی ابھی سب لوگ کھانا کھا کر اپنے اپنے کمروں میں گئے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے گل نے عمرانہ کے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ بابا۔" اندر سے عمرانہ کی آواز سنائی دی۔

"بیگی انسپکٹر جمشید صاحب آئے ہیں۔"

"کیا؟" عمرانہ کے منہ سے حیرت زدہ آواز میں نکلا۔ اسی وقت کوکب طیاری کی آواز سنائی دی۔

"کیا بات ہے گل؟"

"جی، انسپکٹر جمشید صاحب تشریف لائے ہیں، عمرانہ صاحبہ سے ملنے۔"

"او ہو اچھا۔"

انسپکٹر جمشید نے دوسری طرف سے کوکب طیاری کو آتے دیکھا۔ وہ ان سے چند نقاب میں مل چکے تھے۔ اسی وقت عمرانہ نے دروازہ کھول دیا۔ کوکب طیاری نے ان کے نزدیک آ کر گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔

"کیا بات ہے انسپکٹر صاحب، خیریت تو ہے؟"

"دراصل فرزانہ گھر نہیں پہنچی۔"

"کیا؟" عمرانہ کے منہ سے خوف زدہ انداز میں نکلا۔

"جی ہاں، میں اسی کے بارے میں پوچھنے ادھر آیا تھا۔"

"وہ یہاں آئی تو ضرور تھیں، لیکن بس چند منٹ کے لیے۔ ان کی کتاب عمرانہ کے بستے میں آ گئی تھی۔"

"اچھا شکریہ۔" یہ کہہ کر وہ واپس مڑے۔ مڑتے وقت انہوں نے عمرانہ کو بغور دیکھا۔ انہیں اس کی آنکھوں میں الجھن اور خوف بغل گیر نظر آئے۔

"انکل، اس وقت آپ فرزانہ کی تلاش کے سلسلے میں پریشان ہیں، ہم آپ کو بیٹھنے کے لیے بھی نہیں کہہ سکتے۔ چلیے میں آپ کو دروازے تک چھوڑ آؤں۔" عمرانہ نے جلدی سے کہا۔

"شکریہ بیٹی، آئیے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا اور پھر کوکب طیاری کے

ہاتھ ملا کر دروازے کی طرف چل پڑے۔ گل نے بھی ان کے پیچھے قدم اٹھانے کا ارادہ کیا، لیکن عمرانہ بول پڑی۔

"میں دروازہ بند کر دوں گی بابا۔"

گل وہیں رک گیا۔ دونوں دروازے تک آئے۔ انسپکٹر جمشید نے باہر نکلتے ہوئے دبی آواز میں کہا:

"تو فرزانہ یہاں کتاب لینے نہیں، کسی اور غرض سے آئی تھی۔"

"آپ نے کیسے جانا؟"

"آپ کی آنکھوں کی الجھن اور خوف سے۔" وہ مسکرائے۔

"ٹھیک ہے انکل، میں نے ہی فرزانہ کو یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ دراصل میں ابو کے مہمان کی وجہ سے پریشان تھی۔ مجھے اس سے خوف محسوس ہوتا تھا، حالانکہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں کہ اسے دیکھنے والے خوف محسوس کریں۔ یہی سوچ کر میں نے فرزانہ کو بلایا تھا۔ یہ ترکیب فرزانہ کی بتائی ہوئی تھی کہ وہ کتاب لینے کے بہانے آئے گی۔ اس نے اپنی کتاب خود میرے بستے میں رکھ دی تھی۔ اب میں حیران ہوں کہ فرزانہ گھر کیوں نہیں پہنچی۔" عمرانہ جلدی جلدی کہتی چلی گئی۔

"یہاں سے تو وہ گھر پہنچ گئی تھی، لیکن اس کے بعد پھر کہیں چلی گئی اور اب تک لوٹ کر نہیں آئی۔ آپ نے مہمان کے بارے میں کیا کہا۔" انہوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہمارے ہاں چند دن سے ابو کے دوست ایک مہمان آئے ہوئے ہیں۔"

"کیا وہ اس وقت گھر میں ہی ہیں؟"

"جی نہیں، کہیں گھومنے پھرنے گئے ہیں۔"

"کیا وہ فرزانہ کے یہاں سے جانے کے فوراً بعد گھومنے پھرنے گئے تھے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی نہیں، اس کے جانے کے کافی دیر بعد گئے تھے۔"

"خیر، میں دیکھتا ہوں۔ فرزانہ کہاں جا سکتی ہے۔ ارے ہاں۔ مہمان کو دیکھ کر فرزانہ نے کیا رائے قائم کی تھی؟"

"اس نے بھی اسے دیکھ کر خوف محسوس کیا تھا۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا: "کیا تم اپنے مہمان کا حلیہ بتا سکتی ہو؟"

"جی ہاں، کیوں نہیں۔ وہ معمولی سے قد و قامت کا آدمی ہے۔ رنگ زردی مائل، جبڑے ابھرے ہوئے اور آنکھیں گہری سبز۔ یوں لگتا ہے، جیسے ان میں سے شعاعیں سی نکل رہی ہوں۔"

"کیا؟" انسپکٹر جمشید اپنی آواز پر کسی طرح قابو نہ پا سکے اور وہ ضرورت سے زیادہ بلند ہو گئی۔ عمرانہ دھک سے رہ گئی، کیونکہ اب اسے فرزانہ کے والد کی آنکھوں میں بھی خوف نظر آ رہا تھا۔ اسی وقت انہوں نے قدموں کی آواز سنی۔ انہوں نے دیکھا، کوکب طیاری اور گل پریشان چہرے لیے چلے آ رہے تھے۔

☆☆

لمبے آدمی کو چوتھے آدمی کے کان میں کچھ کہتے ہوئے دیکھ کر محمود اور فاروق کو خطرے کا احساس ہوا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ہٹ کے آس پاس چند ریت کے ٹیلے اور گھنے درخت بھی تھے۔

"ہمیں کہیں چھپ جانا چاہیے۔" محمود نے سرگوشی کی۔

"ٹھیک ہے، لیکن فرزانہ کا کیا کریں؟" فاروق نے کہا۔

"نہ جانے وہ کہاں چلی گئی، آؤ فی الحال ان میں سے کسی ٹیلے کے پیچھے

چھپ جائیں۔" محمود نے کہا اور فاروق کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے ہٹ سے دور ہونے لگا۔ جلد ہی دونوں نے ایک ٹیلے کی اوٹ لے لی اور ادھر ادھر دیکھنے لگے، لیکن کچھ اندازہ نہ لگا سکے کہ فرزانہ کہاں ہے۔ کافی دیر گزر گئی، لیکن کچھ نہ ہوا۔ ہٹ سے نکل کر کوئی ان کی طرف آتا نظر نہ آیا۔ محمود اور فاروق الجھن محسوس کرنے لگے۔ ابھی وہ ٹیلے کی اوٹ سے نکلنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ انہوں نے ایک شوخ آواز سنی:

"ہیلو تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" یہ جملہ انگریزی میں کہا گیا تھا۔

آواز پیچھے سے آئی تھی۔ وہ بوکھلا کر مڑے۔ انہوں نے دیکھا، وہی لمبا آدمی کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

"ہم ادھر شکار کھیلنے آئے تھے۔" محمود نے پرسکون آواز میں کہا۔ اب دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"کس چیز کا شکار!" لمبے آدمی نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

"گلہریوں کا۔" فاروق بولا۔

"آؤ میرے ساتھ ذرا ہٹ تک چلو۔" اس نے کہا۔

"لیکن کیوں؟" محمود واز گیا۔

"وہاں تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"تو یہیں کیوں نہیں کر لیتے۔" فاروق نے لاپروائی سے کہا۔

"وہاں کچھ اور لوگ بھی ہیں۔ سب کی موجودگی میں بات کرنا مناسب رہے گا۔" انداز دوستانہ ہو گیا۔

"ہم تو نہیں جائیں گے۔ تم اپنے ساتھیوں کو باہر ہی بلا لاؤ۔"

"کیا بات ہے ٹام؟" ایک آواز آئی۔

انہوں نے آواز کی سمت میں دیکھا تو تینوں غوطہ خور چلے آ رہے تھے۔

"یہ ہٹ کے اندر جانے کے لیے تیار نہیں۔"

"نہیں ہوں گے، اٹھا کر لے چلتے ہیں۔" ایک موٹا طور بولا۔

"اس کے لیے تمہیں بہت لمبا غوطہ لگانا پڑے گا۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب ہمیں بتانے کی ضرورت نہیں، خود بخود تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔" یہ کہتے ہی دونوں نے گویا ڈبکی لگائی اور ان سے کافی دور پہنچ گئے۔ چاروں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ایک نے کہا۔

"انہیں پکڑنا ایک دلچسپ کھیل ہوگا۔"

"یہ کھیل میں بھی دیکھوں گا۔ تام انہیں تم پکڑ کر دکھاؤ گے۔" ہٹ کی طرف سے آواز آئی۔ انہوں نے چونک کر ادھر دیکھا۔ چوتھا آدمی بھی باہر نکل آیا تھا۔ اس وقت انہیں اس کے چہرے کو اچھی طرح دیکھنے کا موقع ملا۔ اس آدمی کی آنکھیں سبز تھیں۔ قد و قامت عام سا تھا۔ جبڑے بہت ابھرے ہوئے اور رنگ زرد تھا۔

"لیکن انہیں پکڑنے سے پہلے ان سے یہ پوچھ لو ان کی بہن کہاں چھپی ہوئی ہے۔" سبز آنکھوں والے نے کہا۔

"ہمیں خود بھی معلوم نہیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"جب یہ پکڑے جائیں گے تو بہن خود بخود سامنے آجائے گی مسٹر سلاٹر۔" تام نے کہا۔

"تو کیا وہ تمہیں کہیں نظر نہیں آئی۔" سلاٹر نے پوچھا۔

"جی نہیں، میں نے ارد گرد اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔"

"اچھا تو پھر پکڑو انہیں، دیکھا جائے گا۔" سلاٹر کے لہجے سے لاپروائی ٹپک رہی تھی۔

تام نے ان کی طرف چھلانگ لگائی۔ دونوں مخالف سمتوں میں بھاگے۔ یہ دیکھ کر تام جھنجھلا اٹھا اور پھر محمود کی طرف دوڑ لگا دی۔ محمود بھی پوری طاقت سے دوڑا۔ لیکن جلد ہی اس نے محسوس کیا کہ تام چند سیکنڈ بعد ہی اس کے سر پر پہنچ جائے گا۔ یہ محسوس کرتے ہی اس نے یک لخت اپنی رفتار کم کر دی، اور جونہی تام اس کے نزدیک پہنچا، اس نے بائیں طرف چھلانگ لگا دی اور پھر نیم دائرے کی صورت میں دوڑنے لگا۔ تام کے ہاتھوں سے بچنے کی یہی صورت تھی کہ وہ اسے تھکا دے، لیکن یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ اس کوشش میں وہ خود تھک جائے۔ اچانک تام دھڑام سے گرا۔ محمود نے مڑ کر دیکھا۔ معلوم ہوا، فاروق نے اس کی ٹانگ میں ٹانگ اڑا دی تھی۔

"شاباش فاروق، یہ کام دکھایا ہے تم نے۔"

"ارے باپ رے۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔ محمود نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی ایک ٹانگ تام کے ہاتھ میں نظر آئی۔ گرنے کے فوراً بعد اس نے لیٹے لیٹے ہی اس کی ٹانگ دبوچ لی تھی اور اب سیدھا کھڑا ہو چکا تھا۔ جب کہ فاروق ایک ٹانگ پر کھڑا تھا۔

"بھئی کیا ہوا، ٹانگ چھڑا کیوں نہیں لیتے۔"

"چھڑا کیسے لوں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے۔ جیسے کسی کیکڑے نے میری ٹانگ کو جکڑ لیا ہو۔"

"اچھا ٹھہرو، میں آ رہا ہوں۔" محمود نے کہا اور ان کی طرف بڑھا۔ تام نے اس پر بھی فاروق کی ٹانگ نہ چھوڑی۔ اگرچہ فاروق ٹانگ چھڑانے کے لیے پورا زور لگا رہا تھا۔ محمود دوڑتا ہوا آیا اور سر کی ٹکر تام کی کمر پر رسید

کرنے کی کوشش کی، لیکن ٹام نے جلدی سے فاروق کی ٹانگ کو زوردار جھٹکا دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ محمود کی ٹکر فاروق کے دائیں پہلو پر لگی اور وہ بلبلا اٹھا۔

"یہ بھی خوب رہی۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔

محمود پر بھی جھنجلاہٹ سوار ہو گئی۔ وہ بلا کی رفتار سے ریت پر گرا اور لڑھکنیاں کھاتا ہوا ٹام تک جا پہنچا، بس پھر کیا تھا۔ اس نے بھی ٹام کی ایک ٹانگ پکڑ لی اور فوراً سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اب عجیب مضحکہ خیز صورت تھی۔ فاروق کی ایک ٹانگ ٹام کے ہاتھوں میں تھی اور اس کی ٹانگ محمود کے ہاتھوں میں۔ یہ دیکھ کر محمود نے خود کو ریت پر گرا دیا اور ایک پلٹنی کھائی، لیکن اس کی ٹانگ پھر بھی نہ چھوٹی اور ٹانگ میں بل آ گیا۔ اس دوران ٹام کا بایاں ہاتھ جو آزاد تھا، محمود کی گردن کی طرف بڑھا، لیکن محمود جھک کر اپنی گردن کو بچا گیا۔ ساتھ ہی اس نے دونوں ہاتھوں کا پورا زور لگا کر ٹام کے پیر کو موڑ ڈالا۔ ٹام پہلے ہی ایک ٹانگ پر کھڑا تھا، سنبھل نہ سکا اور لڑکھڑا کر گرا، اس کے ساتھ ہی فاروق بھی گرا، لیکن گرتے ہی پلٹنی کھا گیا اور اس کی ٹانگ آزاد ہو گئی۔ ٹانگ کا آزاد ہونا تھا کہ وہ تیزی سے ٹام کی طرف پلٹ پڑا اور اس کی دوسری ٹانگ پکڑ لی۔ اب لگے دونوں اس کی ایک ایک ٹانگ کو مخالف سمت میں کھینچنے۔

"بھئی واہ، یہ تو رسہ کشی کا مزا آ رہا ہے۔"

"کیوں ٹام، تمہارا کیا خیال ہے؟" سبز آنکھوں والے نے ایک زوردار قہقہہ لگا کر پوچھا۔

"آپ ہنس رہے ہیں باس، جب کہ میں عجیب مصیبت میں ہوں۔"

"ہم نے تو پہلے ہی بتایا تھا کہ گلہریوں کا شکار کرنے نکلے ہیں۔ اب دیکھ لیں، آپ اس وقت بہت بڑی گلہری نظر آ رہے ہیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"گلہری نہیں، گلہرا۔" محمود نے برا سا منہ بنایا: "مذکر، مونث کا بھی خیال

رکھا کرو۔"

"سوری، آئندہ خیال رکھوں گا۔"

"بھئی اب کھڑے ہاتھ تم کیا کر رہے ہو، اسے پورے زور سے کھینچو، اتنے زور سے کہ یا تو یہ دو حصوں میں تقسیم ہو جائے یا اس سے پہلے ہی اس کی جان نکل جائے۔" سبز آنکھوں والے نے کہا۔

"مسٹر سلار، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، اپنے ہی ساتھی کے بارے میں۔" ایک غوطہ خور نے کہا۔

"میں ہمیشہ جیتنے والی پارٹی کو داد دیا کرتا ہوں۔ یہ میرا اصول ہے۔ اس وقت ان دونوں نے ٹام کو شکست دی ہے۔ ٹام جو لڑائی بھڑائی کا تجربہ رکھتا ہے، لہٰذا اسے سزا ملنی ہی چاہیے، پھر کیوں نہ سزا بھی دونوں کے ہاتھوں انہیں ملے۔ یہ ان کا حق بھی تو ہے۔"

"لیکن ہم مسٹر ٹام کو جان سے نہیں ماریں گے، کیونکہ ہم قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کبھی نہیں کرتے ہاں اگر مجبور کر دیے جائیں تو اور بات ہے۔" محمود نے پروقار انداز میں کہا۔

ٹام بری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ ریت پر تھے اور ان کی مدد سے اس نے اپنا دھڑ اوپر ابھار رکھا تھا۔

"مسٹر سلار! ہمیں اجازت دیں، ہم مسٹر ٹام کو اس مصیبت سے نجات دلا دیں۔"

"کیوں ٹام، تمہیں مدد کی ضرورت ہے۔" سلار نے ہنس کر پوچھا۔

"نہیں باس، میں مرنا پسند کروں گا۔"

"شاباش، یہ ہوئی نا بات۔ اچھا تو پھر مری جاؤ۔ میری طرف سے کسی مدد

کی کوئی امید نہ رکھنا۔"

"مجھے اپنی نہیں باس، آپ کی فکر ہے۔ آپ تنہا رہ جائیں گے ...
کا ننگ اور تانگیر لڑائی بھڑائی میں ماہر نہیں ہیں۔"

اس کا اشارہ شاید تینوں غوطہ خوروں کی طرف تھا۔

"تم میری فکر نہ کرو۔ مجھے ان تینوں کی مدد کی ضرورت صرف غوطہ ...
کے سلسلے میں ہے، کیونکہ میں غوطہ خور نہیں ہوں۔ اسی لیے میں انہیں بھی ساتھ ...
ہوں اور تم تو تام، ہر جگہ میرے ساتھ جاتے ہی ہو، لیکن تام بھی ایسی شکست سے ...
تم بھی دوچار نہیں ہوئے تھے۔" سلاٹر کی آواز سے بے پناہ خوشی ٹپک رہی تھی۔

"مجھے حیرت ہے باس، آپ بہت خوش نظر آرہے ہیں۔"

"ایسے دل خوش کن مقابلے دیکھ کر کوئی بدذوق ہی ناخوش ہو سکتا ...
تو ان دونوں کو اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"لیکن مسٹر سلاٹر، ہم دونوں نہیں، تینوں ہیں۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں، میں تمہاری بہن کو بھی دیکھ چکا ہوں، لیکن اس وقت وہ ...
طرح کہیں چھپ گئی ہے۔ اسے آواز دو نا۔" اس نے صاف اردو میں کہا ...
صاف اردو بولتے دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی۔

"یہی تو اس میں گندی عادت ہے۔ وقت بے وقت چھپ جاتی ...
فاروق مسکرایا۔

ویسے مجھے حیرت ہے، تم تینوں یہاں تک کس طرح پہنچ گئے تمہیں ...
کا پتا کس نے بتایا؟"

"ہمارے فرشتے ہمیں ادھر لے آئے ہیں۔ ویسے اگر ہم آج نہ ...
تب بھی کل یہاں ضرور پہنچ جاتے۔" محمود نے جواب دیا۔

"وہ کیسے؟"

"ہماری بہن فرزانہ کا تعاقب کوکب طیاری کے گھر سے کیا گیا تھا۔
تعاقب تام نے کیا تھا۔ ہم یہ ضرور سوچتے کہ آخر تام کو فرزانہ کا تعاقب کرنے کی کیا
ضرورت تھی۔ لہٰذا ہم آج رات ہی کوکب طیاری کے گھر کی نگرانی شروع کر دیتے اور
پھر تمہارے تعاقب میں یہاں تک پہنچ جاتے۔"

"ہوں، شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ادھر میری طرف دیکھو۔"
نہ جانے اس کی آواز میں کیا تھا کہ تام کے ساتھ محمود اور فاروق نے بھی
دیکھا، انہیں ایک جھٹکا سا لگا۔ ساتھ ہی تام کی ٹانگیں ان کے ہاتھوں سے نکل گئیں۔
وہ سمجھ نہ سکے کہ یہ کیا ہوا۔

اسی وقت تام کے ہاتھ ان کے سروں پر اس زور سے پڑے کہ چھٹی کا
دودھ یاد آ گیا۔ کیونکہ آسمان پر پہلے ہی تارے کھلے ہوئے تھے اور انہیں بخوبی نظر بھی
آ رہے تھے لہٰذا اس وقت انہیں چھٹی کا دودھ بھی یاد آ سکتا تھا۔ دوسرے ہی لمحے ان
کی کن پٹیوں پر بھی ہاتھ پڑے۔ گرتے ہوئے انہوں نے سلاٹر کی آواز سنی:

"بس کرو بھئی، یہ مجھے زندہ حالت میں درکار ہیں۔"

"یہ بے انصافی ہے۔"

کہیں اوپر سے آواز آئی۔ انہوں نے نظریں اوپر اٹھا کر دیکھا تو ایک
درخت کی شاخیں ہلتی نظر آئیں۔ ان شاخوں میں فرزانہ بیٹھی دانت پیس رہی تھی۔

☆☆☆

اس کی طاقت

"اوہو، تو تم یہاں ہو۔" سلاٹر کے منہ سے نکلا۔

"ہاں اور اس ناانصافی کا مزا چکھانے یہاں آ رہی ہوں۔" فرزانہ نے تلملائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم کس ناانصافی کی بات کر رہی ہو۔" ٹام نے منہ بنا کر کہا۔

"میرے دونوں بھائی تمہیں پوری طرح قابو میں کیے ہوئے تھے، پھر تمہارے باس نے ایسی حرکت کیوں کی کہ تمہاری ٹانگیں ان کے ہاتھوں سے نکل گئیں۔"

"میں نے ٹام کو اپنی طرف دیکھنے کے لیے کہا تھا۔ تمہارے بھائیوں کو نہیں۔ اب اگر میری آنکھوں میں دیکھ کر انہیں جھٹکا لگ گیا تو اس میں میرا کیا قصور؟"

"قصور تمہارے علاوہ اور کس کا نہیں، کیونکہ تم جانتے تھے ٹام کے … یہ دونوں بھی تمہاری طرف دیکھے بغیر نہیں رہیں گے۔ اب ٹام چونکہ تم سے اور تمہاری آنکھوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس لیے اس نے آنکھوں کی طرف دیکھا نہیں، جب کہ محمود اور فاروق پھنس گئے۔ ٹام نے ان کا کوئی لحاظ نہیں کیا اور موقع … ہی بڑی آزما ڈالی۔ لہٰذا میں اعلان کرتی ہوں کہ یہ ناانصافی ہے اور جہاں ناانصافی

ہوتی ہے، وہاں ظلم ہوتا ہے۔ کسی جگہ ظلم ہو اور ہم دیکھتے رہ جائیں، یہ ناممکن ہے۔ لہٰذا میں آ رہی ہوں۔ اپنے اس لمبے سے کہو میرا مقابلہ کر کے دکھائے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے درخت کی شاخوں سے چھلانگ لگا دی۔ اسے طول محسوس نہیں ہوا، کیونکہ نیچے ریت ہی ریت تھی اور پھر اس نے چھلانگ بھی ٹام کے عین سر کے اوپر لگائی تھی۔ ٹام اس وقت اوپر دیکھ رہا تھا۔ اس نے جو فرزانہ کو عین سر کے اوپر آتے دیکھا تو بلا کی تیزی سے کچھ دور ہٹ گیا۔ نتیجہ یہ کہ فرزانہ ریت پر آ گری اور اس طرح اس کا پہلا وار خالی گیا۔ ریت سے ابھی اٹھ بھی نہیں پائی تھی کہ ٹام نے اس کے سر کے بالوں کو پکڑ کر آگے کی طرف جھٹکا دیا۔ وہ منہ کے بل ریت پر گری۔ اس کا منہ ریت آلود ہو گیا۔ منہ صاف کرتے ہوئے وہ اٹھی تو ٹام کو پھر سر پر پایا۔ اس کا ہاتھ اس کی گردن پر پڑنے کے بالکل قریب تھا۔ فرزانہ یہ دیکھتے ہی دھڑام سے گری اور ریت پر تیزی سے لڑھکتی چلی گئی۔ لڑھک کر اٹھی تو ٹام کو چند گز دور چھوڑ آئی تھی۔ یہ موقع اسے بڑی مشکل سے ملا تھا۔ وہ پرسکون انداز میں کھڑی رہی۔ یہاں تک کہ ٹام نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ فرزانہ نے تیزی سے جھکائی دی، لیکن یہاں اس نے ٹام کو سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ ٹام نے حیرت انگیز طریقے پر اپنا رخ تبدیل کر لیا تھا وہ پورے زور سے فرزانہ سے ٹکرایا۔ فرزانہ کے قدم اکھڑ گئے اور پھر وہ کھڑی نہ رہ سکی۔ ٹام کا بھاری بھرکم جوتا اس کے پاؤں پر پڑا۔ جوتوں کے تلوں میں شاید میخیں لگی ہوئی تھیں۔ اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی۔ دوسرے ہی لمحے وہ بے ہوش ہو گئی۔ محمود اور فاروق نے فرزانہ کا یہ انجام نیم بے ہوشی کے عالم میں دیکھا۔ ان کا تو خیال تھا کہ فرزانہ کم از کم ٹام کو تو شکست دے ہی دے گی۔ انہیں بہت حیرت ہوئی، کیونکہ انہیں ایک فی صد بھی امید نہیں تھی کہ فرزانہ اتنی جلدی شکست کھا جائے گی۔

"اب تم صحیح معنوں میں ٹام نظر آتے ہو۔ چلو ان تینوں کو ہٹ میں لے

آؤ، پھر میں ان سے پوچھ گچھ کروں گا۔"

"لیکن سر، آپ بھلا کیا پوچھ گچھ کریں گے؟"

"بہت سی باتیں۔ فکر نہ کرو، تمہارے سامنے ہی پوچھوں گا۔" سلاٹر نے مسکرا کر کہا۔

چند منٹ بعد وہ نائیلون کی رسیوں سے بندھے ہٹ کے ایک کمرے میں پڑے تھے۔ پانچوں مجرم ان کے پاس ہی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔

"ٹام، تم کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے شہر کے حالات معلوم کر آؤ۔ اب میں شہر جانا مناسب خیال نہیں کرتا، کیوں کہ ان تینوں کی تلاش شروع کی جا چکی ہوگی اور انسپکٹر جمشید کوکب طیاری کے گھر بھی جا چکا ہوگا۔ ٹائیگر، تم تینوں غوطہ لگانے کی تیاری کرلو۔ میں یہ کام آج رات ہی مکمل کر لینا چاہتا ہوں۔"

"اوکے سر۔" ٹام اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے سے نکل گیا۔ تینوں غوطہ خور بھی تیاری کرنے لگے۔ یوں تو وہ پہلے ہی غوطہ خوری کے لباس میں تھے۔ پھر وہ بھی چلے گئے اور سلاٹر ان کے پاس تنہا رہ گیا۔

"مسٹر سلاٹر، تم آخر سمندر کی تہہ میں کیا چیز تلاش کر رہے ہو؟" محمود نے خاموش پڑے رہنا مناسب خیال نہ کیا۔

"ایک چیز۔" سلاٹر مسکرایا۔

"اور وہ کیا چیز ہے، کیا وہ بہت قیمتی ہے؟"

"ہاں، بہت قیمتی، تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"کیا سونے کا کوئی جہاز اس جگہ ڈوب گیا ہے؟" فاروق نے ذرا منہ بنا کر کہا۔

"ارے، کمال ہے۔ تم نے تو بوجھ لیا، حیرت انگیز۔ میں نے اتنے عج

سمندر اور پھر نیچے اپنی زندگی میں آج تک نہیں دیکھے۔" سلاٹر کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے۔

"لیکن تم غوطہ خور اتنا بہت سا سونا کس طرح نکالیں گے؟" فرزانہ نے سوال کیا۔

"یہاں تم نے بے وقوفی کی بات کی ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ پانی میں چیزوں کا وزن بہت کم ہو جاتا ہے اور پھر اگر تہہ میں وہ جہاز مل جاتا ہے تو یہ غوطہ خور پہنچاتے رہیں گے اور سونے کی اینٹیں نکال نکال کر لاتے رہیں گے۔" اس نے کہا۔

"تو پھر ٹام کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟" محمود نے پوچھا۔

"ٹام، ٹام میرا نائب ہے۔ ہر مہم میں میں اسے ساتھ رکھتا ہوں۔ یہ ایک بہترین انجینئر بھی ہے، میں اس کی انجینئرنگ سے بھی اکثر اوقات فائدہ اٹھاتا ہوں۔"

"اور تم سونے کو لے کر فرار کس طرح ہو گے۔"

"یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ ہم آئے بھی اسی لانچ کے ذریعے ہیں۔ اور اسی کے ذریعے چلے بھی جائیں گے، اس ملک کی سمندری حدود سے ہمیں نکالنے کا کام یہ لانچ بخوبی کر سکے گی۔ حدود سے نکلتے ہی ہمارے لیے جہاز تیار ملے گا۔ یہ لانچ دراصل آب دوز بھی ہے۔" سلاٹر نے بتایا۔

"اور یہ سونا کس ملک کا ہے۔"

"ہمارا اپنا ہے۔ ایک ہوائی جہاز کے ذریعے ایک دوست ملک کو بھیجا جا رہا تھا کہ جہاز میں خرابی ہو گئی۔ رات کا وقت تھا۔ بس وہ سمندر میں گرتا چلا گیا۔ اس وقت وہ سمندر کے اوپر پرواز کر رہا تھا۔ ہمارے ماہرین نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ وہ ٹھیک

کہیں گرا ہے۔"

"اگر یہیں کہیں گرا ہوتا تو ہمارے ہوائی آلات نے ہمیں بتلا دیتا؟"

"اس جہاز میں بھی کچھ خاص آلات لگے تھے۔ ان کی مدد سے اسے آلات پر دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔"

"تمہاری حکومت ہماری دشمن سہی۔ مگر ہماری حکومت سے درخواست کر سکتی تھی کہ اس جہاز سے سونا نکالنے کی اجازت دی جائے۔" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"تمہاری حکومت ہرگز اجازت نہ دیتی، کیونکہ جہاز فضائی حدود کی خلاف ورزی کرتا ہوا گزر رہا تھا۔ چونکہ اس کا پتا نہیں چلایا جا سکتا تھا۔ اس لیے ہم نے اسے چکر کاٹ کر بھیجنے کی بجائے سیدھا بھیج دیا۔"

"گویا اس سونے پر اب ہمارا حق بنتا ہے۔"

"تم یہ کہہ سکتے ہو، میں نہیں۔"

"تب ہم تمہیں وہ سونا نہیں لے جانے دیں گے۔ وہ ہمارے ملک کے کام آئے گا۔ ہمارے ملک کو یوں بھی سونے کی اشد ضرورت ہے۔" محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

"لیکن تم تینوں کر ہی کیا سکتے ہو۔ ہمارا کام اگر آج رات مکمل نہ ہوا تو کل رات تک تو ضروری مکمل ہو جائے گا۔ اس وقت تک کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی کہ تم یہاں ہو، یا ہم یہاں کیا کر رہے ہیں۔"

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تمہیں شہر میں جا کر کوکب طیاری کے گھر مہمان ٹھہرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس طرح تو تمہارے بارے میں کسی کو معلوم ہی نہ ہو پاتا۔" محمود نے سوال کیا۔

"تم ابھی بچے ہو۔ اس وقت ہم یہاں حکومت کی باقاعدہ اجازت سے غوطہ خوری کر رہے ہیں۔ ظاہر ہم نے یہ کیا ہے کہ ہم سمندر کی تہہ سے موتی، سیپیاں اور گھونگھے نکال کر ان کی تجارت کرتے ہیں۔ اس کے لیے ہم نے حکومت کو فیس ادا کر کے اجازت نامہ حاصل کیا ہے۔"

"اور یہ اجازت نامہ تم نے کوکب طیاری کی مدد سے حاصل کیا ہے؟" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ہاں، اب تم ٹھیک سمجھی ہو۔"

"کوکب طیاری سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" فاروق نے سرد آواز میں پوچھا۔

"میرا بہت پرانا دوست ہے۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ میں اس کے دشمن ملک کا جاسوس ہوں۔"

"یہ دوستی سمجھ میں نہیں آئی، آخر یہ کس طرح شروع ہوئی ہو گی۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں یہاں پہلے بھی آ چکا ہوں، لہٰذا یہاں کسی دوست کی ضرورت محسوس ہوئی تھی، چنانچہ میں نے زبردستی کوکب طیاری کو دوست بنا لیا، چند قیمتی تحائف دیے تھے۔"

"لیکن عمرانہ نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ تم اس کے گھر پہلے بھی آ چکے ہو۔" فرزانہ بولی۔

"تو عمرانہ نے تمہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی، تاکہ تم مجھے دیکھ لو۔ اسے میری آنکھوں سے خوف محسوس ہوا ہو گا۔"

"ہاں، یہی بات ہے۔"

"خیر، آئندہ عمرانا ایسی کوئی بات نہیں کر سکے گی۔" سلازر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" فرزانہ خوف زدہ آواز میں بولی۔

"مطلب یہ کہ وہ کسی روز اچانک مر جائے گی۔ کوئی اس کی موت کو غیر قدرتی خیال نہیں کر سکے گا۔"

"نہیں نہیں، یہ ظلم ہے۔" فرزانہ نے تقریباً چلا کر کہا۔

"اور تم لوگ بھی اب میرے ساتھ میرے وطن چلو گے۔ کیونکہ اب تم یہاں نہیں رہ سکتے۔"

"لیکن ہم وہاں جا کر کیا کریں گے۔ بور ہو کر مر جائیں گے۔" فرزانہ نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں، ایسا بھی کیا۔ میں تم سے اپنے ملک کے لیے حیرت انگیز کام لوں گا۔" سلازر ہنسا۔

"ناممکن، ہم دشمن ملک کے لیے کسی قیمت پر کام نہیں کر سکتے۔" محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

"نہیں، تم اپنی خوشی سے کام کرو گے۔ ہم زبردستی کام لینے کے عادی نہیں ہیں۔ اچھا دیکھو، میں مثال دے کر سمجھاتا ہوں۔ فرض کرو، میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس ہٹ کے دوسرے کمرے میں شیشے کا ایک گلدان رکھا ہے، وہ اٹھا لاؤ۔ اب اگر یہ کام تمہارے ملک کے مفاد کے خلاف ہوگا تو تم یقیناً انکار کر دو گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں، ہم ہرگز یہ کام نہیں کریں گے۔" فرزانہ بولی۔

"خیر اب تم یہ بتاؤ کہ میں تم میں سے کسے یہ حکم دوں کہ دوسرے کمرے سے گلدان اٹھا لاؤ۔"

"ہم میں سے کسی کو بھی یہ حکم دے کر دیکھ لو۔ ہم یہ کام نہیں کریں گے۔" محمود نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اب پھر تم ہی جا کر وہ گلدان اٹھا کر لاؤ گے۔ یہ دیکھو میرے ہاتھ میں کیا ہے؟"

محمود نے غیر ارادی طور پر اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ اس کا ہاتھ اس وقت اس کے چہرے کے قریب تھا۔ اچانک محمود کی آنکھیں اس کی آنکھوں سے ٹکرا گئیں۔ اسے ایک زبردست جھٹکا لگا۔ اس کا پورا جسم جھنجھنا اٹھا۔

"جاؤ دوسرے کمرے سے گلدان اٹھا لاؤ اور اپنے ملک کو نقصان پہنچا دو۔"

محمود کچھ کہے بغیر اٹھا۔ اگرچہ اس نے خود کو اٹھنے سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی تھی، لیکن وہ اٹھے بغیر نہ رہ سکا۔ کوئی غیر محسوس طاقت اسے اٹھنے پر مجبور کر رہی تھی اور پھر وہ کمرے سے اس طرح نکل گیا، جیسے سوتے میں چل رہا ہو۔ حالانکہ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ فاروق اور فرزانہ دھک سے رہ گئے۔ مارے حیرت کے ان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ ابھی وہ سکتے کے عالم میں بیٹھے تھے کہ محمود واپس آتا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں شیشے کا گلدان تھا۔

"ک ک۔ کیا تم ہپناٹزم کے ماہر ہو؟" فرزانہ ہکلائی۔ محمود اس وقت تک گلدان سلازر کو پیش کر چکا تھا اور اب وہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ محمود کچھ کہے بغیر اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

"تم اسے ہپناٹزم کہہ لو یا کچھ اور، میری آنکھوں میں ایک خاص طاقت ہے۔ میں اس طاقت سے بڑے بڑے کام لے سکتا ہوں۔ مثال کے طور پر میں اسے

گلدان میز پر رکھ کر اس پر نظر جما رہا ہوں۔ اب تم غور سے گلدان کو دیکھتے رہو، اور ہاں محمود، تم کیا محسوس کر رہے ہو۔" کہتے کہتے وہ محمود کی طرف مڑا۔

"عجیب سا محسوس کر رہا ہوں، گلدان اٹھا کر لاتے وقت مجھے ذرا بھی ناگواری کا احساس نہیں ہوا۔" اس نے کہا۔

"بس اسی طرح تم میرے ملک کے کام آؤ گے۔" سالار مسکرایا۔

اب اس نے گلدان کو میز پر رکھا۔ اور نظریں اس پر جما دیں۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کی نظریں بھی گلدان سے جیسے چپک سی گئیں۔

☆☆

"کیا ہوا جناب، خیر تو ہے۔" کوکب طیاری نے پریشان ہو کر کہا۔

"عمرانہ نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے کہ ایک بار پھر مجھے اندر آنا پڑے گا۔" یہ کہہ کر وہ اندر داخل ہو گئے۔

"آخر بات کیا ہے؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔"

وہ ان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ سب کے بیٹھنے کے بعد انہوں نے کہا۔

"آپ کے مہمان مسٹر سالار کہاں ہیں؟"

"وہ سیر و تفریح کے لیے گئے ہوئے ہیں۔"

"یہ کون صاحب ہیں، آپ کے دوست کس طرح بنے؟"

"آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"آپ کی بیٹی عمرانہ آپ کے مہمان سے خوف زدہ تھیں، انہوں نے فرزانہ سے درخواست کی کہ یہاں آ کر مہمان کو ایک نظر دیکھ لے۔ فرزانہ یہاں

کتاب لینے کے بہانے آئی۔ فرزانہ بھی مہمان کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی۔ وہ یہاں سے گھر گئی اور تھوڑی دیر بعد پھر گھر سے نکلی۔ اس مرتبہ محمود اور فاروق بھی گھر سے نکلے مجھے اب ان کا کوئی پتا نہیں چل رہا ہے کہ وہ کہاں ہیں۔ آپ کے مہمان بھی گھر میں نہیں ہیں۔ کیا یہ سب کچھ عجیب نہیں ہے۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

"مجھے تو اس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں آتی۔"

"پہلے آپ یہ بتایئے کہ مسٹر سالار آپ کے دوست کس طرح بنے تھے؟"

"اچھی طرح تو یاد نہیں۔ شاید کسی پارٹی میں ملاقات ہوئی تھی، پھر انہوں نے مجھے چند تحائف دیے اور اس طرح ہم دوست بن گئے۔ یہ جب بھی اپنے ملک سے آتے ہیں، میرے ہاں ہی ٹھہرتے ہیں۔"

"اب میں آپ کو بتاتا ہوں۔ سالار ہمارے دشمن ملک کا ایک خوفناک ترین آدمی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ کی بیٹی نے تو اس کی آنکھوں سے خوف کھایا، لیکن آپ کو خوف محسوس نہیں ہوا۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" کوکب طیاری نے کہا۔

"میں سچ عرض کر رہا ہوں۔ اب یہ بتایئے، اس نے اپنے یہاں آنے کی کیا وجہ بتائی تھی۔"

"اس مرتبہ وہ سمندر کی تہہ سے موتی، سیپیاں اور گھونگھے نکالنے کے لیے آئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ یہ تجارت شروع کر چکے ہیں۔"

"کیا وہ اپنے ساتھ کچھ اور آدمیوں کو بھی لایا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں، انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اپنے ساتھ غوطہ خور بھی لائے ہیں۔"

"لیکن سمندر کی تہہ سے یہ چیزیں نکالنے کے لیے تو باقاعدہ اجازت کی

ضرورت ہے۔"

"یہ اجازت انہوں نے میرے ذریعے سے حاصل کی ہے۔ مجھے اب تک آپ کی باتوں پر یقین نہیں آیا۔ مسٹر سلاز ایسے آدمی نہیں ہیں۔"

"کیا آپ کے مہمان کی آنکھیں گہری سبز ہیں۔" انسپکٹر جمشید ناخوش گوار لہجے میں بولے۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" کوکب طیاری نے سر ہلایا۔

"تب پھر آپ آئی جی صاحب کو فون کر کے اپنے مہمان کا حلیہ بتا کر ان سے اس کا نام معلوم کر لیں۔ اگر آئی جی صاحب آپ کے مہمان کا حلیہ سن کر اس کا نام بتا دیں، تو سمجھ لیجیے گا کہ میں بالکل درست کہہ رہا ہوں، اب مجھے صرف اتنا بتا دیں کہ آپ کے مہمان نے سمندر کے کس حصے میں غوطہ خوری کی اجازت طلب کی ہے۔" ان کی آواز میں حد درجے خشکی آ گئی۔

"وہ شمالی ساحل پر گئے ہیں۔" کوکب طیاری نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"شکریہ، مجھے اجازت دیں۔ اب میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔" یہ کہہ وہ تیزی سے اٹھے اور باہر نکل آئے۔ عمران ان کے ساتھ ساتھ آئی۔ چلتے چلتے وہ مڑے اور عمرانہ سے بولے:

"اگر رات میں کسی وقت آپ کے ابو کا مہمان آ جائے تو مجھے فون کر دیں۔ اگر میں گھر نہ ملوں تو اس نمبر پر فون کر دیں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے ایک کاغذ نکالا، اس پر نمبر لکھے اور پھر نیچے ایک جملہ بھی لکھ دیا۔ پرزہ عمرانہ کو دیتے ہوئے بولے

"ان نمبروں کو غور سے پڑھ لیں۔ اور نیچے لکھا ہوا جملہ بھی۔"

یہ کہا اور گھر سے باہر نکل آئے۔ ایک میڈیکل اسٹور پر رک کر انہوں نے آئی جی صاحب کے نمبر گھمائے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا:

"ہیلو سر، میں انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔ سلاز کا ایک سراغ مل گیا ہے۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے، محمود، فاروق اور فرزانہ نادانستہ طور پر سلاز سے ٹکرا گئے ہیں۔"

"تم کیا کہہ رہے ہو جمشید۔" آئی جی صاحب کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"میرا اندازہ یہی ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے جو کچھ معلوم ہوا تھا، انہیں بتا دیا۔

"اف میرے خدا، سلاز اور کوکب طیاری کے گھر میں تھا، لیکن اب تم کیا کرو گے؟"

"میں شمالی ساحل کی طرف جا رہا ہوں۔ آپ اکرام اور کچھ سادہ لباس والوں کو ساحل کی طرف بھیج دیں، لیکن انہیں چاہیے کہ وہ خفیہ طور پر ساحل تک آئیں اور میرے اشارے کے منتظر رہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جمشید کی جیپ آندھی اور طوفان کی سی تیزی سے شمالی ساحل کی طرف جا رہی تھی۔

☆☆☆

دور کی آواز

ابھی چند سیکنڈ بھی نہیں گزرے تھے کہ گلدان خود بخود میز سے اٹھا اور پھر دھڑام سے فرش پر گر کر چکنا چور ہو گیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیل گئیں۔ انہوں نے ایسا مظاہرہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''یہ ضرور جادو ہے۔''

''کچھ لوگ اسے جادو خیال کرتے ہیں، کچھ ہپناٹزم۔ کچھ کا خیال ہے کہ یہ ٹیلی پیتھی کی قسم کی کوئی چیز ہے، لیکن میں اسے اپنی قوت ارادی کہتا ہوں، جسے میں اپنی آنکھوں میں سمیٹ لاتا ہوں۔'' سلاٹر نے کہا۔

''تھوڑی دیر پہلے جب ٹام کو ہم نے پکڑ رکھا تھا تو کیا اس وقت بھی تم نے اسی قوت سے کام لے کر ہمارے ہاتھوں سے اس کی ٹانگیں آزاد کرا دی تھیں۔'' فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں، یہ اور اس قسم کے بہت سے کام میں نہایت آسانی سے کر سکتا ہوں۔'' وہ بولا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس بار ہم ایک خطرناک آدمی کے ہتھے چڑھے ہیں۔'' فرزانہ نے فکر مند ہو کر کہا۔

''اگر تم میرے بارے میں جانتے ہوتے تو ادھر آنے کی جرأت نہ کرتے۔

''اوہو، تو کیا تم کوئی بہت ہی مشہور آدمی ہو۔''

''تمہارے والد کو میرے بارے میں ضرور بہت کچھ معلوم ہوگا۔''

''فکر نہ کرو، وہ یہاں آتے ہی ہوں گے۔''

''میں جانتا ہوں، وہ یہاں تک پہنچیں گے ضرور، لیکن پہنچیں گے بہت دیر سے۔ اس وقت تک ہم یہاں سے روانہ ہو چکیں گے۔''

اسی وقت دروازہ کھلا اور ٹام کی صورت دکھائی دی۔

''مسٹر سلاٹر، انسپکٹر جمشید ادھر آ رہے ہیں۔''

''واقعی۔'' سلاٹر کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں، ہمارے آدمی نے یہی اطلاع دی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے، انسپکٹر جمشید کو کب طیاری سے یہ معلوم کر چکے ہیں کہ ہم نے اس طرف خود خوری کی اجازت حاصل کی ہے۔''

''جی ہاں، اور اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حکومت کو آپ کی یہاں آمد کی اطلاع مل چکی ہے۔''

''وہ تو خیر مل ہی جانی تھی۔ خیر کوئی بات نہیں۔ تم ٹانگیر کو اشارہ دو اور لانچ پر جا کر وائرلیس پر موجودہ صورت حال کی خبر کر دو۔ شاید ہمیں مدد کی ضرورت پڑے۔ یوں بھی جہاز ملنے پر تو انہیں بتلانا ہی ہوگا۔''

''او کے سر۔'' ٹام نے کہا اور باہر چلا گیا۔

''کیوں جناب، ہمارا خیال ٹھیک نکلا نا۔'' فرزانہ شوخ آواز میں بولی۔

''ہاں، انسپکٹر جمشید کافی تیز رفتار آدمی ہے۔ ان کے بارے میں ایک حد تک معلومات تو مجھے ہیں، لیکن مکمل طور پر میں ان سے واقف نہیں ہوں۔ کبھی آمنا سامنا نہیں ہوا نا۔''

"چلو کوئی بات نہیں، اس مرتبہ ہو جائے گا آمنا سامنا۔"

"پرواہ نہیں، مجھے تو خوشی ہوگی۔ اگر وہ یہاں تک نہ پہنچتے تو میں ضرور حیران ہوتا۔"

"آپ اتنے بڑے اور مشہور آدمی ہیں اور ہم تین بچوں سے خوف زدہ ہیں، کیا بات ہوئی؟" فرزانہ نے نئی کہی۔

"خوف زدہ؟ نہیں تو۔" سلاٹر نے حیران ہو کر کہا۔

"تو پھر ہمیں باندھ کر کیوں ڈالا گیا ہے۔"

"اگر تم آزاد ہونا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں، میں رسیاں کھول دیتا ہوں۔"

"ہاں، یہ ہوئی نا بہادری۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"تمہارے ارادے تو نیک ہیں۔"

"حد درجے نیک۔" فاروق مسکرایا۔

"اچھا تم بھی کیا یاد کرو گے، لو میں تمہیں کھولے دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور ایک چاقو کی مدد سے ان کی رسیاں کاٹتا چلا گیا۔ تینوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور ہاتھ ہلا کر خون کی گردش درست کرنے لگے۔ اسی وقت ٹام ایک بار پھر اندر آ گیا۔

"وائرلیس پر پیغام دے دیا ہے۔ مدد آ رہی ہے۔ ٹائیگر وغیرہ بھی آ رہے ہیں۔ ارے یہ کیا؟ ان کی رسیاں کس طرح کھل گئیں۔" ٹام چونک کر بولا۔

"میں نے کھول دی ہیں۔ انہوں نے میری بہادری کو للکارا تھا۔" سلاٹر نے کہا۔

"ہم دراصل آپ سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتے ہیں۔" محمود نے پرسکون

آواز میں کہا۔

"تم نے ناٹام، یہ کیا چاہتے ہیں؟" سلاٹر نے عجیب سی آواز میں کہا۔

"یہ آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے سر، ورنہ ایسی بات منہ سے نکالتے۔"

"لیکن بھئی مجھ سے دو دو ہاتھ تم اس صورت میں کرنے کے حق دار ہوتے، جب تم نے ٹام کو شکست دی ہوتی۔"

"ہم ٹام کو ایک طرح شکست سے دوچار کر چکے تھے۔"

"دیکھو بھئی، اس وقت دو دو ہاتھ کرنے کا موقع نہیں، میں وعدہ کرتا ہوں، جوں ہی موقع ملا تم سے دو دو ہاتھ ضرور کروں گا۔ آؤ اب لانچ پر چلیں۔"

"لانچ، بھلا لانچ پر ہمارا کیا کام؟"

"بھئی سیر کرائیں گے تمہیں۔ چلو شاباش، دیر نہ کرو۔ ٹام تم ان تینوں کو بھی لانچ پر لے آؤ۔ میں ان تینوں کو لے کر آتا ہوں۔"

"او کے سر۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"چلو بھئی تم تینوں میرے پیچھے آؤ۔"

"ہم آپ کے پیچھے نہیں آئیں گے مسٹر سلاٹر۔"

"نہیں بھئی، ایسا بھی کیا۔" سلاٹر مسکرایا۔

"ہم آپ کی قوت کے زیر اثر بھی نہیں آئیں گے، کیونکہ ہم آپ کی آنکھوں کی طرف نہیں دیکھیں گے۔" محمود نے سرد آواز میں کہا۔

"تب پھر تمہیں لانچ پر لے جانے کی کیا صورت ممکن ہے؟"

"ہم سے دو دو ہاتھ۔" فرزانہ بولی۔

"اوہو۔ بھئی تم تو مجھے مجبور کیے دے رہے ہو، حالانکہ میں ایسا نہیں چاہتا

تھا۔ اچھا آؤ، مجھ پر وار کرو۔"

"تینوں ایک ساتھ اس پر جھپٹے، لیکن پھر آپس میں اس زور سے ٹکرائے کہ ان کی چیخیں نکل گئیں۔

"دیکھا، میں نے کہا تھا نا۔" سالار نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔ وہ ان سے چند گز دور کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"ہم اتنی آسانی سے ہار ماننے والے نہیں۔" فرزانہ نے دانت پیس کر کہا۔ اور تنہا سالار کی طرف دوڑ پڑی۔ اس کے سر کی ٹکر سالار کے دائیں پہلو پر لگی اور پھر وہ اس طرح الٹ گئی جیسے کسی لوہے کے ستون سے ٹکرا گئی ہو۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ اس کا تو خیال تھا کہ سالار اس کے سر کی ٹکر کھا کر اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں رہ سکے گا، لیکن سالار معمولی قد و قامت کا انسان ضرور تھا، لیکن اس کے اعصاب شاید فولاد کے بنے ہوئے تھے۔

"چلو بھئی، تم دونوں بھی آؤ اور اپنی طاقت آزما لو۔"

محمود کو اس پر غصہ آ رہا تھا۔ عجیب ٹھنڈے دماغ کا آدمی تھا، خود پر سکون رہتے ہوئے انہیں غصہ دلا رہا تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، نیم دائرے کی شکل میں چکر کاٹا اور سالار کی گردن سے لٹک گیا۔ اس کے دونوں بازو اس کی گردن کے گرد لپٹ گئے۔

"یہ کیا کر رہے ہو بھئی؟" سالار ہنسا۔

محمود کو اس لمحے یوں محسوس ہوا، جیسے وہ کوئی ربڑ کی گردن دبا رہا ہو، اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس نے جھلا کر فاروق کی طرف دیکھا۔ اور بولا:

"کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو، آتے کیوں نہیں؟"

"میں سوچ رہا تھا، پہلے تم اپنی سی کوشش کر دیکھو، پھر میں حملہ

کروں۔" فاروق نے فکرمند ہو کر کہا۔

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔ اس وقت یہ تنہا ہے، اگر ہم نے اس پر قابو پا لیا تو ان تینوں کو قابو کرنا بہت آسان ہو گا۔"

"اچھا تو یہ لو، میں آ رہا ہوں۔"

فاروق نے یہ کہہ کر ایک ایک قدم اٹھاتا سالار کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

"مسٹر سالار، تم نے اپنی زندگی میں بہت سے مقابلے کیے......"

فاروق کی آواز حلق میں اٹک گئی۔ اسی وقت غیر ارادی طور پر اس کی نگاہیں سبز آنکھوں سے مل گئیں۔ اسے اپنے پورے جسم سے جان نکلتی محسوس ہوئی اور پھر وہ ریت کی دیوار کی طرح گر گیا۔

"یہ کیا ہوا؟" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"اس پر میری قوت ارادی چل گئی۔" سالار نے مسکرا کر کہا، پھر سرد آواز میں بولا:

"بہت گردن دبا چکے بھئی، اب تم بھی جاؤ۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک چکر بلا کی تیزی سے کاٹا۔ محمود کا پورا جسم زمین کے متوازی ہوا میں لہرایا، اس نے بازوؤں کو اس کی گردن سے چمٹائے رکھنے کی پوری کوشش کی، لیکن اس کی کوشش بے کار گئی۔ دونوں ہاتھ یک دم الگ ہو گئے اور وہ چکراتا ہوا دیوار سے ٹکرایا۔ اگر ہٹ کی دیوار لکڑی کی نہ ہوتی تو شاید اس کی ہڈی پسلی اس وقت ایک ہو چکی ہوتی، تاہم اسے بہت زور سے چوٹ لگی۔

"اس سے تو یہی بہتر تھا کہ تم امن اور سلامتی کے ساتھ لانچ پر چلے چلتے۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک ہاتھ میں محمود کو اور دوسرے میں فرزانہ کو اٹھا لیا۔ یوں

جیسے کوئی بچہ ہلکے پھلکے کھلونوں کو اٹھاتا ہے۔ اور پھر اس کی سرد آواز فاروق کے کانوں
سے ٹکرائی۔

"تم میرے پیچھے آؤ۔ تمہیں اٹھانے کی ضرورت نہیں۔"

فاروق نے چاہا، اس کے پیچھے نہ جائے۔ پیچھے جانے کی بجائے اس کا مقابلہ
کرے یا پھر چپ چاپ شہر کی طرف بھاگ نکلے۔ تاکہ اپنے والد کو سب حالات سے
آگاہ کر آئے۔ لیکن اپنی خواہش کے خلاف اس کے قدم خود بخود سالار کے پیچھے اٹھنے لگے۔
اسے خود پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا۔ آخر یہ ہو کیا رہا ہے۔

☆☆

انسپکٹر جمشید نے ساحل پر پہنچ کر جیپ روک لی۔ انہوں نے چاروں طرف
دیکھا۔ ہو کا عالم طاری تھا۔ دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ اکرام اور اس
کے ساتھیوں کے پہنچنے میں ابھی دیر تھی۔ آخر وہ ایک اونچے سے ٹیلے پر چڑھ گئے اور
چاروں طرف دیکھنے لگے۔ اس وقت تک رات کی تاریکی پوری طرح پھیل چکی تھی، البتہ
تاروں بھرے آسمان کے نیچے ہر چیز دھندلی دھندلی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ٹیلے
سے نیچے اترے اور جیپ میں سے ٹارچ نکال کر پھر ٹیلے پر چڑھے۔ اب انہوں نے
چاروں طرف ٹارچ کی روشنی ڈالنا شروع کی۔ آخر اس روشنی میں ایک موٹر سائیکل
کے ٹائر کا تھوڑا سا حصہ نظر آیا۔ باقی موٹر سائیکل ٹیلے کی اوٹ میں تھی۔ وہ اس کی
طرف بڑھے۔ ٹیلے کے دوسری طرف انہیں دو موٹر سائیکلیں نظر آئیں۔ یہ محمود اور
فاروق کی تھیں۔ ٹارچ کی روشنی ریت پر گردش کرنے لگی۔ انہیں قدموں کے نشان
صاف نظر آئے۔ یہ دیکھ کر ان کے منہ سے ہلکی سی سیٹی نکل گئی کہ فرزانہ کی جوتی کے
نشانات بھی موجود تھے، گویا تینوں ہی یہاں کہیں موجود تھے۔ دوسرا خیال بہت تکلیف
دہ تھا، یہ کہ یہیں کہیں سالار بھی موجود ہے۔ آخر وہ قدموں کے نشانات کے ساتھ

ساتھ قدم اٹھانے لگے۔ یہاں تک کہ ہٹ کے پاس پہنچ گئے۔ اب انہوں نے فاروق
بجاری اور ریت پر رینگتے ہوئے آگے بڑھے۔ ہٹ کے دروازے سے کان لگا کر
انہوں نے سن گن لینے کی کوشش کی، لیکن کوئی ہلکی سی آواز بھی سنائی نہ دی۔ دروازے
پر دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

اندر داخل ہونے کے بعد انہوں نے بلب جلایا اور کمرے کا بغور جائزہ
لینے لگے۔ سب سے پہلے ان کی نظر جس چیز پر پڑی، وہ نائلون کی کٹی ہوئی رسیاں
تھیں۔ وہ فوراً ہی سمجھ گئے کہ بندھے ہوئے کچھ لوگوں کو کھولا گیا ہے۔
اس کمرے میں میزوں اور کرسیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ یہ بے ترتیبی
کی حالت میں تھیں۔ فرش پر شیشے کے کچھ ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ انہوں نے
قدموں کے نشانات غور سے دیکھے، ان نشانات میں محمود، فاروق اور فرزانہ کے
قدموں کے نشانات بھی تھے۔

ہٹ سے باہر نکل کر انہوں نے اس کے چاروں طرف قدموں کے
نشانات کا جائزہ لیا۔ ایک جگہ انہیں دوسرے نشانات کے ساتھ صرف فاروق کے
نشانات نظر آئے۔ انہیں حیرت ہوئی کہ اس کے ساتھ محمود اور فرزانہ کے نشانات کیوں
نہیں ہیں، تاہم یہ سوچ بچار کا وقت نہیں تھا۔

وہ نشانات کے ساتھ ساتھ چل پڑے۔ یوں تو نشانات ایک اور سمت میں
بھی جا رہے تھے، لیکن ان کے ساتھ فاروق کے پیروں کے نشانات نہیں تھے۔ ان
نشانات پر چلتے ہوئے آخر وہ سمندر کے کنارے تک پہنچ گئے۔ یہاں انہیں پانچ اور
آدمیوں کے قدموں کے نشانات بھی نظر آئے، لیکن ان نشانات کے علاوہ اور کچھ بھی
نہیں تھا۔ انہوں نے چاروں طرف دیکھا اور پھر ٹارچ کی روشنی میں سمندر کا جائزہ
لینے لگے، لیکن جہاں تک ٹارچ کی روشنی جا سکتی تھی، انہیں سوائے سمندر کے پانی کے

کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ آخر انہوں نے اس سمت میں ٹارچ کی روشنی تین بار ہلائی، جس طرف سے خود آئے تھے۔ یہ اکرام اور اس کے آدمیوں کے لیے اشارہ تھا۔

تھوڑی دیر بعد اکرام ان تک پہنچ گیا۔

"باقی لوگ کہاں ہیں؟"

"آس پاس ہی موجود ہیں۔" اس نے بتایا۔

"ہوں۔ اکرام، تمہیں نزدیک ترین پبلک فون بوتھ سے آئی جی صاحب کو فون کرنا ہے۔ ہمیں فوری طور پر ایک بہترین قسم کی لانچ کی ضرورت ہے، جو تیز رفتار بھی ہو اور ہر قسم کے اسلحے سے لیس بھی، ورنہ شاید ہم سلاٹر کو گرفتار کر ہی نہیں سکیں گے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھی کھو بیٹھیں گے۔"

"جی کیا مطلب؟" اکرام زور سے چونکا۔

"ہاں اکرام، سلاٹر میرے تینوں بچوں کو ساتھ لے گیا ہے۔"

ان کی آواز میں بے پناہ دکھ تھا۔ عین اسی وقت انہوں نے بہت دور سے آتی ہوئی ایک آواز سنی۔

☆☆☆

لہراتی چیخ

ٹام اور تینوں غوطہ خور مسٹر سلاٹر سے پہلے لانچ پر پہنچ گئے تھے۔ سلاٹر کو اس عجیب حالت میں لانچ کی طرف بڑھتے دیکھ کر ان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ارے، یہ کیا؟"

"کچھ نہیں بھئی، یہ تینوں دو دو ہاتھ کرنے سے باز نہیں آئے تھے۔ نتیجہ یہ کہ ان میں سے دو کو مجھے اٹھا کر لانا پڑا۔ تیسرا میرے پیچھے خود بخود آ رہا ہے۔"

"سر، انہیں ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ سمندر کے حوالے کر دیں، مچھلیاں خوش ہو جائیں گی۔" ٹام نے مشورہ دیا۔

"نہیں بھئی، میں ان سے بڑے شاندار قسم کے کام لوں گا۔" سلاٹر ہنسا۔

اس وقت تک محمود اور فرزانہ کو اچھی طرح ہوش آ گیا تھا، فاروق البتہ کچھ کھویا کھویا لگ رہا تھا۔ وہ انہیں لانچ کے ایک کمرے میں لائے۔

"ٹام، لانچ کو پانی کے نیچے لے چلو۔ ہم نیچے ہی نیچے سفر کرتے اس مقام تک پہنچیں گے، جہاں سے ان تینوں کو غوطہ لگانا ہے۔"

"او کے سر۔" اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی کمرے کا دروازہ بند ہو گیا اور لانچ اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ پھر وہ پانی میں بیٹھنے لگی۔ پانی کے نیچے ان کا یہ سفر تقریباً پندرہ منٹ تک جاری رہا، پھر لانچ اوپر اٹھنے لگی، آخر وہ سطح پر آ گئے۔

"چلو بھئی، تینوں غوطہ لگا جاؤ۔ اب ہمیں اپنا کام آج ہی رات میں مکمل کرنا پڑے گا۔ ایک بار تم اسے تلاش کر لو، پھر ہمارے ساتھی اسے اوپر خود کھینچ لیں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں باس، ہم کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔" یہ کہہ کر انہوں نے چھلانگیں لگا دیں اور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

"ٹام، تمہیں چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ اگر ساحل کی طرف کوئی ہلچل نظر آئے تو لانچ کو پانی کے نیچے لے جانا۔"

"جی بہتر، آپ فکر نہ کریں، میری نظریں ساحل پر جمی ہیں۔" ٹام نے کہا۔

"ہاں، تم لوگوں کے کیا حال ہیں؟" دو دو ہاتھ کرنے کا بھوت اترا یا نہیں۔ اگر ابھی کچھ باقی ہے تو اب میں فارغ ہوں۔"

"شکریہ۔ اس لانچ میں کیا مزا آئے گا اور پھر آپ کی قوت ارادی درمیان میں ٹپک پڑتی ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھئی تم میری آنکھوں کی طرف نہ دیکھو نا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "محمود اور فرزانہ نے تمہیں دیکھا تھا، لہٰذا انہوں نے خوب مقابلہ کیا، بس تم رہ گئے۔"

"فکر نہ کرو، میں اپنی طاقت بحال کر رہا ہوں۔" فاروق نے خود کو غصے سے نجات دلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا، جب بحال کر چکو، بتا دینا۔" سلاٹر ہنسا۔

"مسٹر سلاٹر، تمہیں کوئی اور نام نہیں ملا تھا۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"کیوں، پسند نہیں آیا تمہیں۔"

"بہت فضول نام ہے۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"تم شاید مجھے غصہ دلانے کی کوشش کر رہی ہو، لیکن تمہاری اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ گزشتہ پندرہ سال سے مجھے ایک سیکنڈ کے لیے بھی غصہ نہیں آیا۔"

"یہ خبر سن کر بہت خوشی ہوئی کہ روئے زمین پر ایک انسان تو ایسا ہے، جسے پندرہ سال سے غصہ نہیں آیا۔" فاروق نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

"تم یہ سونا کس ملک کو بھیج رہے تھے؟" محمود نے پوچھا۔

"اپنے دوست ملک کو، جو تمہارا دشمن ہے۔ ہم اسے ہر لحاظ سے طاقت ور بنا دینا چاہتے ہیں، تاکہ جب بھی ضرورت پڑے، اسے تم سے لڑایا جائے۔ شاید میں یہ بات پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"تو کیا جہاز سے سونا نکالنے کے لیے تمہارے کچھ اور ساتھی یہاں آئیں گے؟"

"ہاں، وہ یہاں سے نزدیک ہی موجود ہیں۔ سب کو ساتھ لانا مناسب نہیں تھا۔" اس نے کہا۔

"سر، ہوشیار ہو جائیں۔ ساحل کی طرف سے ایک ٹارچ کی روشنی پھینکی جا رہی ہے۔"

"اوہو اچھا۔" سلاٹر کے منہ سے نکلا، پھر اس نے ساحل کی طرف دیکھا، محمود، فاروق اور فرزانہ بھی اسی سمت میں دیکھنے لگے۔ ان پر جوش کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ٹارچ کی روشنی انہوں نے بھی دیکھ لی تھی، لیکن ابھی روشنی کا رخ لانچ کی طرف نہیں ہوا تھا۔

"ٹام، فوراً پانی کے نیچے چلو۔" سلاٹر نے پرسکون آواز میں کہا۔

"او کے سر۔"

"ہمارے لیے بہتر یہی ہے کہ ابھی ان لوگوں کی نظروں میں نہ آئیں۔ پہلے ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔ اس کے بعد انہیں بھی دیکھ لیں گے۔"

لانچ نیچے بیٹھنے لگی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بے چین ہو گئے، لیکن وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ اسی وقت سلاٹر کی آواز ابھری۔

"ٹام، باقی ساتھیوں کو ہدایت دو، ابھی وہیں ٹھہریں، جہاں ہیں۔"

چلے۔ انہوں نے پوری طاقت سے کام لے کر سالار کو عرشے پر سے دھکا دے دیا تھا۔ سالار کو شاید ان کی طرف سے ایسی کوئی امید نہیں تھی۔ نتیجہ یہ کہ وہ غڑاپ سے پانی میں گرا۔ نام انجن روم میں اچھل پڑا۔ دوسرے ہی لمحے انجن روم کا دروازہ کھلا۔ ساتھ ہی محمود نے اپنے حلق سے الو کی آواز نکالی۔ آواز بلند ترین تھی، لمبی ہوتی چلی گئی۔

☆☆

''تم نے سنا اکرام، الو کی آواز سمندر میں سے آئی ہے۔'' محمود، فاروق اور فرزانہ تینوں شاید سالار کے قبضے میں ہیں۔ جلدی کرو اکرام، کہیں وہ دور نہ نکل جائیں۔ انسپکٹر جمشید بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولے۔

اکرام نے فوراً ہی دوڑ لگا دی اور وہ کھڑے بے بسی کی حالت میں ہاتھ ملتے رہ گئے۔ پھر نہ جانے ان کے جی میں کیا آئی کہ سمندر میں چھلانگ لگا دی اور آواز کی سمت میں تیرنے لگے۔ شاید انہوں نے سوچا تھا کہ کیوں نہ لانچ آنے تک خود کوشش کی جائے۔

سمندر میں موجوں کے مخالف تیرنا گویا موت کو دعوت دینا تھا۔ بپھری ہوئی موجیں ساحل کی طرف آ رہی تھیں اور جا رہی تھیں۔ جب کہ انہیں صرف سمندر کی طرف بڑھنا تھا۔ مسلسل پندرہ منٹ تک تیرنے کے بعد بھی انہیں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ انہیں کوئی لانچ نظر نہ آئی۔ جواب میں الو کی آواز نکالنے کا مطلب دشمن کو خبردار کرنا تھا۔ سالار کو معلوم ہو جاتا کہ وہ کہاں ہیں، جبکہ وہ یہ نہیں چاہتے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق لانچ کے ساحل تک پہنچنے میں کم از کم ایک گھنٹا تو ضروری لگ سکتا تھا۔ لہٰذا انہوں نے سوچا مجھے ابھی پندرہ منٹ تک اور آگے بڑھنا چاہیے، اگر پھر بھی کوئی لانچ نظر نہ آئی تو واپس ہو جاؤں گا۔ کنارے پر پہنچنے تک لانچ آ ہی جائے گی۔

ان کا سفر سمندر میں جاری رہا۔ یہاں تک کہ پندرہ منٹ اور گزر گئے۔ لیکن کسی لانچ وغیرہ کے آثار نظر نہ آئے۔ آخر وہ واپس مڑے، ساحل پر پہنچے تو اکرام

کی پریشان صورت دکھائی دی۔

''خدایا، تیرا شکر ہے۔ ان پانچ منٹ کے دوران نہ جانے کیسے کیسے خیالات مجھے آتے رہے۔''

''گویا تمہیں یہاں آئے ابھی صرف پانچ منٹ ہوئے ہیں۔''

''جی ہاں، لانچ کے لیے مجھے خود جانا پڑا تھا۔ آپ کے دائیں ہاتھ لانچ موجود ہے۔''

انہوں نے مڑ کر دیکھا اور پھر لانچ کی طرف بڑھے۔ لانچ کا عملہ تین آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ان میں سے ایک تو ڈرائیور تھا، باقی دو لانچ پر نصب اسلحے کو استعمال میں لانے کے ماہر تھے۔ انسپکٹر جمشید اس پر سوار ہو گئے۔ اکرام نے بھی ساتھ دیا۔ ساحل پر موجود سادہ لباس والوں میں سے بھی تقریباً دس آدمی ساتھ لے گئے۔ باقی کو ساحل پر پوری طرح چوکنے رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے انسپکٹر جمشید ڈرائیور سے بولے:

''اس طرف چلنا ہے اور جس قدر تیز ممکن ہو چلیں۔''

''اوکے سر۔'' ڈرائیور بولا اور لانچ چل پڑی۔

''آپ دونوں پوری طرح تیار بیٹھیں۔ کسی وقت بھی دشمن کی طرف سے ہم پر حملہ ہو سکتا ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں سر، ہم پوری طرح تیار ہیں۔'' وہ دونوں بولے۔

''اکرام، تم اپنے آدمیوں کو بھی چاروں طرف مورچے سنبھالنے کی ہدایت کر دو۔ خود تمہارے ہاتھ میں بھی پستول ہونا چاہیے۔''

''شاید آپ اندازہ لگا چکے ہیں کہ مقابلہ سخت اور کافی آدمیوں سے ہے۔'' اکرام نے ان کی طرف غور سے دیکھا۔

"ہاں تمہارا اندازہ درست ہے۔"

"تو کیا آپ سمندر میں اس جگہ تک ہو آئے ہیں جہاں دشمن موجود ہے۔"

"نہیں ابھی تک نہیں، مجھے افسوس ہے۔ میں وہاں تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔"

لانچ کی رفتار برابر زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔ ڈرائیور پوری تندی سے اسے چلا رہا تھا۔ انسپکٹر جمشید اور اکرام کی نظریں سمندر پر جمی تھیں۔ انسپکٹر جمشید حد درجے بے قرار دکھائی دے رہے تھے۔ اکرام نے سوچا، شاید میں نے انہیں اتنا پریشان کبھی نہیں دیکھا۔ کیوں نہ ہو، مقابلہ بھی تو سلاٹر سے تھا، تاہم اگر محمود، فاروق اور فرزانہ نہ پھنس گئے ہوتے تو اس قدر پریشان نظر نہیں آ سکتے تھے۔

"اکرام، میں سوچ رہا ہوں، کیا سلاٹر صرف محمود، فاروق اور فرزانہ کو اغوا کرنے آیا تھا؟"

"لیکن اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہو سکتا ہے، وہ میری توجہ کسی خاص مسئلے سے ہٹائے رکھنا چاہتا ہو۔"

"اوہ ہاں، یہ ہو سکتا ہے، لیکن صرف محمود، فاروق اور فرزانہ کے اغوا کے لیے سلاٹر جیسے بڑے جاسوس کو بھیجنا عجیب سی بات ہے۔"

"ہاں، بات عجیب سی ضرور ہے، لیکن ناممکن نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"سر، ایک لانچ کے آثار نظر آ رہے ہیں۔" اچانک ایک سادہ لباس والے نے کہا۔ وہ دائیں طرف کھڑا تھا۔ انہوں نے فوراً دائیں طرف دیکھا۔

انہیں لانچ کا صرف اوپر والا حصہ دکھائی دیا۔ اور ان پر جوش کی کیفیت طاری ہو گئی۔ عین اسی وقت انہوں نے چیخ کی ایک لہراتی آواز سنی۔

☆☆☆

سمندر میں

انجن روم کا دروازہ کھلتے ہی ٹام باہر نکل آیا۔

"پھر تم نے کیا کیا؟" اس نے بپھر کر کہا۔

"ہم اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتے تھے بھائی۔" فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اب میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" ٹام غرایا۔

"آؤ آؤ، ہم تمہیں بھی سمندر کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہیں۔ تم نے ہمیں سمجھا کیا ہے؟"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ اس طرح تم نے مسٹر سلاٹر کو غرق کر دیا ہے۔" ٹام نے تلملا کر کہا۔

"ہمارے سمجھنے نہ سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ غرق کرنے والا ہے۔"

"مسٹر سلاٹر بہترین تیراک ہیں۔ ابھی لانچ کی طرف آتے نظر آ جائیں گے۔"

"میری دادی اماں مجھے بتایا کرتی تھیں کہ ہمیشہ بہترین تیراک ہی ڈوب کر مرتے ہیں۔ بہترے سانپ کے کاٹے سے ہی مرتے ہیں اور شکاری اپنے شکار کے ہاتھوں ہی موت کے گھاٹ اترتے ہیں۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"فاروق، یہ ڈائیلاگ تم نے کون سی ٹی وی ڈرامے میں سنے تھے؟" فرزانہ جل کر بولی۔

"غلط سمجھیں۔ یہ خالص میرے ڈائیلاگ ہیں۔"

اسی وقت ٹام نے غصیلے انداز میں ان پر چھلانگ لگائی۔ اس کی کوشش تھی کہ ان تینوں کو ساتھ لیتا ہوا عرشے پر گرے اور انہیں دبوچ بیٹھے، لیکن وہ تینوں بجلی کی کڑکائی کی طرح چھوٹ گئے۔ ٹام اپنی ہی جھونک میں عرشے سے ٹکرایا، لیکن پھر فوراً ہی مڑا۔

"اب ذرا سوچ سمجھ کر حملہ کرنا۔ عرشے سے بار بار ٹکرانا اچھا نہیں۔ یہ کھوپڑی اب ہمارے ملک کے کام آئے گی، لہٰذا ہم اس امانت کا ٹوٹنا برداشت نہیں کریں گے۔" فرزانہ شوخ انداز میں بولی۔

ٹام جھنجلاہٹ کے عالم میں فرزانہ کی طرف بڑھا۔ فرزانہ نے اسے جھکائی دینے کی پوری کوشش کی، لیکن اس کے بال ٹام کی گرفت میں آ گئے۔ اس نے بالوں کو ایک زوردار جھٹکا دیا، فرزانہ کے قدم اکھڑ گئے۔ اتفاق کی بات کہ اس وقت فرزانہ ریلنگ کے بالکل قریب تھی۔ اس کی کمر ریلنگ سے ٹکرائی۔ اور وہ دوہری ہو گئی۔ اس کا سر سمندر کی طرف جھک گیا۔ ٹام نے بھی اسے سمندر میں گرانے کے لیے اور زور لگایا۔ فرزانہ کے پاؤں اوپر اٹھے ہی تھے کہ محمود نے جلدی سے اس کے دونوں پاؤں تھام لیے۔ لیکن اس نے انہیں نیچے لانے کی کوشش نہیں کی۔ اس حالت میں اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹنے کا خطرہ تھا۔ اب فاروق آگے بڑھا۔ پہلے تو اس نے ایک ہاتھ ٹام کے سر پر رسید کیا۔ جب اس سے اس کا کچھ نہ بگڑا تو اس نے اس کی گردن کے گرد دونوں بازو کس دیے۔ ٹام نے اپنے دائیں ہاتھ کی مدد سے گردن چھڑانے کی کوشش شروع کر دی۔ اس کے بائیں ہاتھ میں فرزانہ کے بال تھے۔ محمود فرزانہ کی ٹانگوں

کو چھوڑنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اگر وہ ٹانگوں کو چھوڑ کر ٹام پر حملہ آور ہوتا تو فرزانہ سمندر میں جا گرتی، لہٰذا وہ مجبور تھا اور فاروق کی مدد نہیں کر سکتا تھا، اب اس لڑائی کا دارومدار فاروق پر تھا۔ یہ محسوس کرتے ہوئے محمود نے چلا کر کہا۔

"فاروق، اس کی گردن پوری قوت سے دباؤ۔ جلدی کرو۔ یہی وقت ہے۔ ٹام کے گرتے ہی ہم اس تاج کو ساحل کی طرف لے جا سکتے ہیں۔"

"دبا تو رہا ہوں۔ نہ جانے اس کم بخت کی گردن کس چیز سے بنی ہوئی ہے۔ شاید ربڑ کی ہے، دبنے میں ہی نہیں آتی۔"

"آ جائے گی، آج پورا زور لگا دو۔"

عین اسی وقت انہوں نے سلاٹر کی آواز سنی:

"گھبراؤ مت ٹام، میں آ رہا ہوں۔ ایک چھال مجھے دور تک بہا لے گئی تھی، اس سے نجات حاصل کرنے میں دیر ہو گئی۔ اور ہاں، ٹام، رسی پکڑ کر کھینچ لو۔ ہینگر اور اس کے ساتھی بھی اوپر آ جائیں گے۔"

انہوں نے دیکھا، سلاٹر صرف چند گز دور رہ گیا تھا۔ غوطہ خوروں والی رسی ٹام کے پاس ہی لٹک رہی تھی، لیکن وہ اسے کھینچتا کس طرح۔ اس کے تو دونوں ہاتھ پھنس گئے تھے۔

"سر، میں رسی کھینچنے کے قابل نہیں ہوں۔"

"خیر کوئی بات نہیں، میں آ رہا ہوں۔"

محمود اور فاروق نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ سلاٹر کے اوپر آ جانے کی صورت میں شکست ان کا مقدر بن جاتی۔ جب کہ اس وقت ان کا پلہ بھاری تھا۔

"فاروق، یار کیا ہو گیا ہے۔ کہیں تم اپنی طاقت گھر تو نہیں بھول آئے۔"

اور فاروق نے بچا کھچا زور بھی صرف کر دیا۔ یہیں اس وقت جب کہ سالار لانچ کے قریب پہنچنے کے قریب تھا، تام کی گردن لٹک گئی۔

"فاروق، ابھی اس کی گردن نہ چھوڑنا، کہیں یہ مکر نہ کر رہا ہو۔ فرزانہ اب تم سیدھی ہو جاؤ۔ تام کے ہاتھ سے اپنے بال نکال لو۔ جلدی کرو، خطرہ ہمارے سروں پر آ پہنچا ہے۔" محمود نے چیخ کر کہا۔

فرزانہ نے فوراً اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ تام کی گرفت سے آزاد تھی۔ محمود نے اس کی ٹانگیں چھوڑ دیں۔ فاروق ابھی تک تام کی گردن دبوچے ہوئے تھا، لیکن وہ ہاتھ پیر بالکل نہیں ہلا رہا تھا۔

"یار محمود، کہیں یہ مر نہ جائے۔" فاروق نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مرتا ہے تو مر جائے۔ میں اور فرزانہ سالار سے دو دو ہاتھ کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ سالار کی طرف متوجہ ہوا، فرزانہ بھی مڑی۔ انہوں نے دیکھا، سالار اب صرف دو گز دور تھا اور اس کا رخ انہی کی طرف تھا۔ شاید اس کی کوشش یہ تھی کہ پہلے رسی کو کھینچ کر غوطہ خوروں کو مدد کے لیے بلا لے۔ صاف ظاہر ہے۔ وہ تینوں اسے رسی تک پہنچنے سے نہیں روک سکتے تھے۔ کیونکہ رسی پہلے ہی پانی میں تھی۔ رسی کھینچتے ہی اس نے لانچ کی ریلنگ پر ہاتھ ڈال دیا۔ محمود پہلے ہی تیار تھا۔ وہ اپنا پاؤں ریلنگ سے نیچے لٹکا چکا تھا۔ جوں ہی سالار کا ہاتھ ریلنگ پر پڑا اس نے جوتے کی ایڑی پوری قوت سے سالار کے ہاتھ پر دے ماری، لیکن یہ دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے کہ سالار کا ہاتھ ریلنگ پر سے نہیں ہٹا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ ساتھ ہی اس کا دوسرا ہاتھ بھی ریلنگ پر جم گیا۔ یہ دیکھ کر فرزانہ آگے بڑھی اور اس نے ایک زوردار ٹھوکر اس کے سر پر رسید کی۔ اس ٹھوکر نے کچھ کام دکھایا۔ سالار نیچے جھکنے پر مجبور ہو گیا، تاہم اس کے دونوں ہاتھ اب بھی ریلنگ پر جمے تھے۔

"فاروق، اگر تمہیں یہ یقین ہے کہ تام مکمل طور پر بے ہوش ہو چکا ہے تو ہماری مدد کے لیے آ جاؤ۔"

"ہاں، مجھے یقین ہے، کیونکہ اس نے اس وقت سے ذرا بھی حرکت نہیں کی۔"

"اس کی آنکھ میں ناخن چبھو کر دیکھ لو۔ اگر مکر کر رہا ہے تو ضرور حرکت میں آ جائے گا۔" فرزانہ نے ترکیب بتائی۔

"اچھی بات ہے۔"

ادھر سالار اب پھر سنبھل چکا تھا۔ اس نے ریلنگ کا اوپر والا ڈنڈا تھام لیا اور اچک کر اوپر آنے کی کوشش کی۔ ایک ساتھ اس کے سر پر دو بھرپور ہاتھ پڑے، لیکن وہ ان ہاتھوں کو برداشت کر گیا۔ اور کچھ اور اوپر اٹھ آیا۔

"میں نے اتنا ڈھیٹ آدمی کبھی نہیں دیکھا۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

"ابھی، ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے ملبوشا سے ملاقات ہو چکی ہے۔" فاروق نے ریلنگ کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"اس کے سر پر تو لباس ہی اس قسم کا تھا کہ چوٹ نہیں لگتی تھی۔ اس نے تو سر پر کچھ بھی نہیں لے رکھا۔"

فاروق ان کے نزدیک آ گیا۔ تینوں گویا دیوار بن کر سالار کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اس کے باوجود سالار کے چہرے پر ذرا بھی پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ اچانک اس نے اپنا ایک ہاتھ ریلنگ پر سے ہٹا لیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کا ایک گھونسہ محمود کی طرف آیا۔ اس نے فوری طور پر سر پیچھے کر لیا اور مکا اس کے سینے پر لگا۔ یوں لگا جیسے پتھر کی وزنی سل سینے پر آ گری ہے۔ وہ پیچھے کی طرف الٹ کر گرا۔ سالار کا مکا پھر لہرایا اور فرزانہ کی طرف بڑھا۔ فرزانہ ایک دم نیچے بیٹھ گئی، کیونکہ

بھٹکنے کا نتیجہ وہ دیکھ چکی تھی۔ سلاٹر کا ہاتھ زوردار انداز میں ریلنگ پر لگا۔ ساتھ ہی فاروق نے اس کی کلائی پر مکا مارا، لیکن اس وقت وہ بازو کھینچ چکا تھا۔ نتیجہ یہ کہ فاروق کا مکا بھی ریلنگ پر لگا۔ ابھی وہ بلبلا بھی نہیں پایا تھا کہ اس کی ٹھوڑی پر جیسے کوئی ہتھوڑی لگی۔ فرزانہ نے اسے اٹھتے دیکھا تو حلق سے تیز اور لمبی الو کی آواز نکال بیٹھی، کیونکہ اب اسے اپنی شکست صاف نظر آنے لگی تھی۔

☆☆

''اکرام، یہ فرزانہ کی آواز ہے۔ دراصل اس نے الو کی آواز حلق سے نکالی ہے، لیکن زیادہ زور صرف کرنے کی وجہ سے یہ تیز چیخ میں بدل گئی ہے۔ شاید تینوں بڑی مصیبت میں ہیں۔ مسٹر ڈرائیور، کیا آپ اس لانچ کی طرف اس سے زیادہ تیز رفتاری سے نہیں چل سکتے۔''

''میں پوری کوشش کر رہا ہوں جناب۔'' اس نے کہا۔

''شکریہ۔'' یہ کہہ کر وہ بے تابانہ انداز میں دور نظر آنے والی لانچ کی طرف دیکھنے لگے۔

''آخر یہ شخص سلاٹر یہاں کرنے کیا آیا ہے؟'' اکرام کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اس سے زیادہ حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ محمود، فاروق اور فرزانہ یہاں تک کس طرح پہنچ گئے۔ کوکب طیاری کے گھر سے جب فرزانہ رخصت ہوئی تو سلاٹر وہیں موجود رہا تھا۔ فرزانہ سیدھی گھر پہنچی تھی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد محمود اور فاروق نیشنل پارک سے گھر پہنچے تھے۔ پھر وہ دونوں گھر سے نکل گئے اور فرزانہ ان کے تعاقب میں نکل گئی۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ انہیں یہ بات کیسے معلوم ہو گئی تھی کہ کوکب طیاری کا مہمان سمندر کے اس حصے میں غوطہ خوری کی اجازت حاصل

کر چکا ہے۔''

''بات واقعی عجیب ہے۔ ہو سکتا ہے، سلاٹر کا کوئی ساتھی کوکب طیاری کے گھر کے باہر موجود ہو اور فرزانہ کو دیکھ کر اس نے اس کا تعاقب کیا ہو۔''

''ہاں، یہ بات سمجھ میں آتی ہے، لیکن اس صورت میں......''

''ارے یہ کیا۔'' ڈرائیور کی آواز سن کر انہوں نے جملہ درمیان میں چھوڑ دیا۔ اکرام سے باتوں میں ان کی نظریں دور نظر آنے والی لانچ پر سے ہٹ گئی تھیں۔

''کیا بات ہے؟''

''لانچ پانی میں بیٹھ گئی ہے، شاید وہ آبدوز بھی ہے۔''

''تو کیا ہماری لانچ آبدوز نہیں ہے؟''

''ضرور ہے، لیکن اس صورت میں وہ لانچ ہماری نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گئی ہے۔ اب ہم پانی کے نیچے چلیں یا اوپر۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''ہماری لانچ میں طاقت ور سرچ لائٹیں بھی تو نصب ہوں گی۔ کیا ان کی مدد سے ہم پانی کے نیچے اس لانچ کو نہیں دیکھ سکتے؟''

''فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ لانچ نظر نہیں آ سکے گی۔'' ڈرائیور نے کہا۔

''تو پھر پانی کے اوپر ہی اوپر چلتے رہو اور اسی سیدھ میں چلو۔'' انسپکٹر جمشید فکرمندانہ لہجے میں بولے۔

اکرام بھی پریشان ہو گیا۔ کامیابی ان سے اچانک دور ہو گئی تھی۔ جب کہ وہ بہت نزدیک خیال کر رہے تھے۔ سیدھ میں چلتے ہوئے وہ اپنے اندازے کے مطابق اس جگہ پہنچے، جہاں انہیں لانچ نظر آئی تھی۔

''یہاں سے کس سمت میں چلا جائے؟'' ڈرائیور نے پوچھا۔

''پہلے ایک چکر لگایا جائے۔ یہ چکر تقریباً ایک کلومیٹر دائرے کی صورت

میں ہونا چاہیے۔ اگر اس طرح بھی ہمیں لانچ کا کوئی سراغ نہ ملا تو ہم آس پاس کے جزیروں تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

"بہت بہتر۔"

ان کی ہدایت پر عمل شروع ہو گیا، چکر لگا کر بھی کچھ نہ بنا تو جزیروں کی تلاش شروع ہوئی اور پھر تقریباً چالیس کلو میٹر دور ایک جزیرے کے کنارے انہیں ایک لانچ کھڑی نظر آئی۔ ابھی وہ جزیرے سے بہت دور تھے اور لانچ کے انہیں صرف آثار نظر آ رہے تھے۔

"دوربین میں دیکھ کر بتائیں، کیا یہ وہی لانچ ہے۔" انسپکٹر جمشید ڈرائیور سے بولے۔

"جی نہیں، لیکن اس لانچ کے دوسری طرف میں ایک اور لانچ دیکھ رہا ہوں۔" ڈرائیور کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"کیا ہوا، خیر تو ہے؟"

"جو لانچ ہمیں صاف نظر آ رہی ہے، وہ کوئی عام لانچ نہیں۔ ایک جنگی لانچ ہے۔ اس کے نزدیک جانا بھی خطرناک ثابت ہوگا۔"

"کیوں، کیا ہماری لانچ اسلحے سے لیس نہیں۔" انسپکٹر جمشید کا منہ بن گیا۔

"جی ہاں، لیکن ایک باقاعدہ جنگی لانچ نہیں اور پھر اس پر طیارہ شکن توپیں نصب نہیں ہیں، جب کہ میں اس لانچ پر توپیں بھی دیکھ رہا ہوں۔ ہماری لانچ کو وہ اتنے فاصلے سے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر سکتے ہیں۔"

"تب آپ لوگ واپس جائیں، اکرام، تم بھی ان کے ساتھ واپس جاؤ۔ یہ ہمارے ملک کی سمندری حدود ہیں۔ ان لوگوں نے حدود کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لیے ہم ان پر باقاعدہ حملہ کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن سر، ان کے ساتھ جزیرے پر محمود، فاروق اور فرزانہ بھی ہیں۔" اکرام نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"تو کیا ہوا، ان کی خاطر دشمن کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ تم مجھے صرف یہ بتاؤ تم کتنی دیر میں واپس آ سکتے ہو۔"

"ہمیں دو گھنٹے تو کم از کم لگ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے، تم ٹھیک دو گھنٹے بعد اس مقام پر پہنچ کر پوزیشن سنبھال چکے ہو۔"

"لل... لیکن... سر آپ......" اکرام ہکلایا۔

"میں جزیرے پر جا رہا ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے لانچ سے پانی میں چھلانگ لگا دی۔

☆☆☆

ہولناک جنگ

فاروق کے اٹھتے ہی فرزانہ کی ٹھوڑی پر بھی بھرپور مکا لگا اور وہ اچھل کر
پیچھے گری۔ دوسرے ہی لمحے سلاٹر لانچ پر آ گیا۔ اس نے ثام کو بلایا جلایا۔ اس نے فوراً
ہی آنکھیں کھول دیں۔

''فوراً اپنے تمام ساتھیوں کو ہدایت کر دو کہ جہاں تک آ چکے ہیں۔ وہیں
سے واپس لوٹ چلو۔ ہم بھی ان کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ تینوں غوطہ خوروں کے آگے
ہی لانچ کو پانی میں لے چلو اور جزیرے پر پہنچنے کی جلد از جلد کوشش کرو۔''

''جی بہتر۔''

عین اسی وقت غوطہ خوروں کے سر نمودار ہوئے۔ انہوں نے اپنے منہ لباس
کی قید سے آزاد کیے ہی تھے کہ سلاٹر نے کہا:

''چلو جلدی کرو، بیٹھو۔''

ان کے بیٹھتے ہی لانچ کے کمرے کا دروازہ بند کر لیا گیا۔ لانچ کے اوپر خول
آنے لگا اور وہ نیچے بیٹھنے لگی۔

''آخر ماجرا کیا ہے۔ آپ واپس کیوں جا رہے ہیں؟''

''میں ایک لانچ کو تیزی سے اس طرف آتے دیکھ رہا ہوں۔ ہم اس لانچ
سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، البتہ جزیرے پر پہنچ کر ہم اسے چند سیکنڈ میں تباہ کر دیں

گے۔'' سلاٹر نے کہا۔
''لیکن سر، اس طرح تو باقاعدہ جنگ چھڑ جائے گی۔'' ثام نے اعتراض کیا۔
''نہیں، اگر ہم ان سب کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جو اس لانچ میں
ہیں تو ہم بقیہ رات میں اپنا کام مکمل کر کے واپس روانہ ہو جائیں گے، لیکن اگر میں نے
دیکھا کہ حالات جنگ کی صورت اختیار کرنے والے ہیں تو ہم ناکام واپس لوٹ
جائیں گے۔ ابھی تک یہ بات صرف انسپکٹر جمشید کے بچوں کو معلوم ہے کہ ہم یہاں
کیوں آئے ہیں۔ لہٰذا کسی کو کچھ پتا نہیں چل سکے گا، کیونکہ یہ تینوں ہمارے ساتھ ہی
جا رہے ہیں۔ یہ تینوں واقعی حیرت انگیز ہیں۔ تم نے دیکھا، انہوں نے تمہارا مقابلہ
کس بے جگری سے کیا اور پھر مجھ سے بھی بھڑ گئے۔''
''جی ہاں، میں دیکھ چکا ہوں اور ابھی اپنے ملک میں انہیں اچھی طرح
دیکھوں گا۔'' ثام نے جھنجھلے لہجے میں کہا۔
''نہیں بھئی، یہ غلط ہے۔ یہ بچے تو پیار کرنے کے قابل ہیں، ہم بہت پیار
سے پالیں گے اور ان سے بڑے بڑے کام لیں گے۔'' سلاٹر نے ہنس کر کہا۔
تھوڑی دیر بعد لانچ اوپر اٹھنے لگی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے دیکھا، وہ ایک
جزیرے کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ یہاں ایک اور بہت بڑی لانچ پہلے سے کھڑی تھی۔
اس کے ساز و سامان کو دیکھ کر تینوں کی سٹی گم ہو گئی۔ اس پر بڑی بڑی توپیں نصب تھیں۔
''ارے باپ رے، یہ تو جنگ کا پورا سامان لے کر نکلے ہیں۔'' فاروق
کے منہ سے ڈرے ڈرے انداز میں نکلا۔ تینوں کی حالت بہت خستہ تھی۔ سلاٹر کے
مکوں نے ان کا بُرا حال کر دیا تھا۔ چہرے اس حد تک سوج گئے تھے کہ وہ پہچانے نہیں
جا رہے تھے، تاہم اس حال میں بھی وہ خوش دلی سے باتیں کرنے کے قابل تو تھے ہی۔
''ہاں، ہم ہر طرح تیار ہو کر نکلے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر اس قسم کی بے

شمار لانچیں ہماری مدد کو آ سکتی ہیں۔"

جزیرے کے کنارے انہیں ہتھیاروں سے لیس بیس کے قریب آدمی کھڑے نظر آئے۔ انہوں نے سالار کو دیکھتے ہی پرجوش انداز میں سلیوٹ کیا۔ وہ سب لانچ سے اتر کر ان کی طرف بڑھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں دوربین تھی۔

"کیا خیال ہے سر، کیا اس لانچ کو اڑا دیا جائے۔"

"ابھی نہیں، ذرا نزدیک آنے دو۔ میں اسے دیکھ چکا ہوں۔ اس پر توپیں نصب نہیں ہیں۔ دوسرے ہتھیار ضرور ہو سکتے ہیں۔ اس لیے وہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔"

"او کے سر، ویسے تو یہ ہمارے ایک ہاتھ کی مار ہے۔"

"میں جانتا ہوں، تم لوگ فوری طور پر واپسی کی تیاری کر لو۔ اگر ہم نے دیکھا کہ جنگ کی حالت پیدا ہو رہی ہے تو ہم واپس ہی چلے جائیں گے، کیونکہ اس صورت میں ہم اپنا مقصد کسی طرح بھی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ہم پھر یہاں آئیں گے اور اس چیز کو حاصل کر لیں گے۔"

"تو کیا ہم جزیرے سے اپنا سامان سمیٹ لیں؟"

"ہاں۔" سالار نے مڑ کر آنے والی لانچ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، پھر اس کے منہ سے نکلا:

"اوہ، لانچ تو واپس جا رہی ہے۔"

"پھر کیا کیا جائے، کیا اسے تباہ کر دیا جائے۔ کہیں یہ جا کر مدد نہ لے آئے۔"

"ہاں، اب اسے ختم کرنا ہی مناسب ہوگا۔"

سالار کا یہ حکم سن کر محمود، فاروق اور فرزانہ بے تاب ہو گئے۔ انہوں نے سوچا، کچھ کر گزرنا چاہیے۔ فوراً ہی سالار کامران کی طرف گھوم گیا۔ اس نے اپنے چند

ساتھیوں کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"انہیں پوری طرح نگاہ میں رکھو، یہ ہمارے کام میں خلل نہ ڈالنے پائیں۔"

"او کے سر۔"

فوری طور پر تین آدمی ان کے سروں پر مسلط ہو گئے۔ ان کی رائفلوں کی سنگینیں باہر نکل آئیں۔ ادھر پانچ آدمی جنگی لانچ پر سوار ہوئے۔ انہوں نے پانچ توپوں کا رخ واپس جاتی لانچ کی طرف کرنا شروع کر دیا۔ اسی وقت انہوں نے دیکھا، لانچ پانی میں بیٹھتی جا رہی تھی۔

"اوہ، جلدی کرو۔" ان میں سے ایک چلایا۔

"کیا ہوا؟"

"وہ لانچ بھی آب دوز ہے۔ شاید انہوں نے بھانپ لیا ہے کہ ہم کیا ارادہ رکھتے ہیں، لہٰذا وہ زیر آب جا رہے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"تو پھر جلدی فائر کرو۔"

"فائر اس وقت تک کیسے کیا جا سکتا ہے، جب تک لانچ توپوں کی زد میں نہ آ جائے۔" توپچی نے مایوس ہو کر کہا۔

اور پھر وہ نشانہ لینے میں کامیاب ہو گئے، لیکن اس وقت لانچ کا اوپر والا حصہ بھی پانی کے نیچے چلا گیا، تاہم انہوں نے توپیں چلا دیں۔ گولے عین اس جگہ جا کر گرے، جہاں لانچ تھوڑی دیر پہلے نظر آ رہی تھی۔ پانی پہاڑ جتنا اونچا اچھلا اور ایک ہل چل سی فضا میں مچ گئی۔

"کیا خیال ہے، کیا وہ غرق ہو گئے؟" سالار نے پوچھا۔

"ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔ واپسی کی تیاری جاری رکھی جائے، اگر ہم نے دیکھا

کہ حملہ ہونے والا ہے تو یہاں سے نکل چلیں گے، پھر اگر انہوں نے تعاقب کیا تو ہم انہیں اپنی حدود تک گھسیٹ لے جائیں گے اور اس کے بعد تو ہم آزاد ہوں گے۔" سلاٹر کے لہجے میں سفاکی تھی۔

وہ جزیرے کی زمین پر چلنے لگے۔ یہ ریتلی تھی۔ جزیرے پر کھجور کے درخت اگے ہوئے تھے۔ لانچوں کے پاس پانچ آدمی چھوڑ دیے گئے تھے۔ باقی اندر کی طرف بڑھتے چلے گئے اور پھر وہ درختوں کے ایک جھنڈ میں پہنچے۔ یہاں عجیب و غریب قسم کے آلات رکھے تھے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ محمود سے رہا نہ گیا:

"یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، آخر آپ کو اتنے آلات کی کیا ضرورت تھی یہاں۔"

"یہ تام کا معاملہ ہے۔ میں بتا چکا ہوں، یہ بہترین قسم کا انجینئر ہے۔" سلاٹر نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں مسٹر تام، یہ آلات کس لیے ساتھ لائے گئے ہیں۔"

"آلات سے کھیلنا میرا مشغلہ ہے۔" تام نے کندھے اچکائے۔

"چلو بھئی، یہ سب سامان سمیٹنا شروع کر دو۔" سلاٹر نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

"ایسی بھی کیا جلدی ہے، ابھی تم نے مجھ سے تو دو باتیں کی ہی نہیں۔" جھنڈ کے دوسری طرف سے آواز آئی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ زور سے اچھلے۔ آواز ان کے والد کی تھی۔ سلاٹر اور اس کے ساتھی بھی چونکے بغیر نہ رہ سکے۔ دوسرے ہی لمحے انہوں نے دیکھا، انسپکٹر جمشید جھنڈ میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ انہیں ان کی یہ مسکراہٹ حد درجے عجیب لگی۔

☆☆

"تو تم یہاں تک پہنچ ہی گئے انسپکٹر جمشید، شاید تم نے اس لانچ سے پانی میں

چھلانگ لگا دی تھی۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ اپنے ساتھ کتنے آدمی لائے ہو؟"

"فی الحال تنہا آیا ہوں، میری فوج بعد میں پہنچے گی۔ یوں سمجھ لو کہ میں ہراول دستہ ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے۔

"ہم اگر یہاں ٹھہرے رہے تو باقاعدہ جنگ چھڑ جائے گی۔ اور میرا مشن ناکام ہو جائے گا، لہٰذا ہم یہاں سے جا رہے ہیں مجھے تمہارے بچے بہت پسند آئے ہیں، میں انہیں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ یہ صدمہ تمہارے لیے ناقابل برداشت تو ضرور ثابت ہوگا۔ لیکن کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔ مجھے جو چیز پسند آ جائے، میں اسے ہر حال میں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں، لہٰذا تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ ہمارے راستے میں نہ آؤ، ورنہ تمہاری یہاں کسی کو ایک بوٹی بھی نہیں ملے گی۔"

"لیکن میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔ تم میرے بچوں کو چھوڑ دو اور خود یہاں سے چلے جاؤ، تب بھی میں تمہیں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا، کیونکہ میں نہیں جانتا تم نے اس وقت تک میرے ملک کو کس حد تک نقصان پہنچایا ہے۔ اگر ابھی تک تم میرے ملک کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے، تو بھی تم غیر قانونی طور پر ملک میں داخل ہوئے ہو، لہٰذا تمہیں قانون کے مطابق اس کی سزا ملے گی۔"

"میں جانتا ہوں بھئی، تم مجبور ہو۔ لیکن افسوس کہ میں مجبور بھی نہیں اور بے بس بھی نہیں۔ ہاں، میں حیران ضرور ہوں کہ تم اب کرو گے تو کیا۔" سلاٹر کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"ابا جان، اس کی آنکھوں میں نہ دیکھیے گا۔" فرزانہ نے چلا کر انہیں خبردار کیا۔

"فکر نہ کرو، میں اس کے بارے میں اتنا کچھ جانتا ہوں کہ تم اس کا دسواں حصہ بھی

نہیں جانتے۔'' وہ مسکرائے اور ان تینوں کو نظر بھر کر دیکھا، پھر قدرے بڑے اور بولے

''ارے بھئی، یہ تمہارے حلیوں کو کیا ہوا، کہیں تم علی محمود، فاروق اور فرزانہ تو نہیں ہو۔''

''جی وہ۔ ہم ہیں تو اصل ہی، لیکن شاید نقل کی چھاپ لگ گئی ہے ہم پر۔'' فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

''دیکھو انسپکٹر، میں فیصلہ کیے دیتا ہوں۔ تم محمود، فاروق اور فرزانہ کو لے کر یہیں ٹھہر جاؤ۔ جب مدد آئے تو ان کے ساتھ واپس چلے جانا۔ یہ میری انتہائی فراخ دلانہ پیش کش ہے۔ اگر تمہیں یہ منظور نہیں تو دوسری صورت نہ صرف تمہارے لیے خطرناک ہے، بلکہ تمہارے بچوں کے لیے بھی۔'' سالار نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''تم نے دوسری صورت نہیں بتائی۔'' انسپکٹر جمشید پرسکون انداز میں بولے۔

''دوسری صورت بلکہ پیش کش یہ ہے کہ تم مجھ سے دو دو ہاتھ کرلو۔ اگر تم نے مجھے شکست سے دوچار کر دیا تو ان میں سے کوئی تم پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا اور اگر میں نے تمہیں شکست دے دی تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑا جائے گا اور میں تمہارے بچوں کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا، تم سوچ ہی سکتے ہو۔ دوسری صورت تمہارے لیے کس قدر خطرناک ہے۔''

''اس کے باوجود مجھے یہی صورت پسند ہے۔'' انسپکٹر جمشید پرسکون آواز میں بولے۔

''اچھی بات ہے۔ تب تو جلد اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ تم زندہ بچے ہو یا ہم یہاں سے صحیح سلامت جاتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے آدمیوں کی طرف مڑا۔

''تام، ٹائیگر اور باقی سب لوگ سن لو کہ میری شکست کی صورت میں تم خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرو گے، لیکن ہم جس مشن پر نکلے ہیں، اس کے بارے میں

ایک لفظ بھی نہیں بتاؤ گے۔''

''ان کے نہ بتانے سے اب کیا فرق پڑ جائے گا، تم جو ہمیں بتا چکے ہو۔'' محمود نے اسے گھورا۔

''ارے ہاں، یہ تو میں بھول ہی گیا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ہاں بھئی ٹائیگر، تم ان لوگوں کی اس جگہ تک ہرگز رہنمائی نہیں کرو گے۔''

''آپ بے فکر رہیں باس، ایسا نہیں ہوگا۔'' ٹائیگر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''تام، تم نے میرا حکم سن لیا۔''

''آپ کا حکم عجیب و غریب ہے باس، تاہم میں اس پر پوری طرح عمل کروں گا۔'' تام کا لہجہ عجیب سا تھا۔

''تام، میں حکم عدولی پسند نہیں کرتا۔''

''میں جانتا ہوں باس، لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ انسپکٹر جمشید جیسوں سے شکست کھانے کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔''

''یہ بعد کی بات ہے۔ ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دشمن کو کمزور ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے۔ اچھا بس۔ آؤ انسپکٹر، دیکھیں دونوں کتنے پانی میں ہیں۔''

یہ کہہ کر سالار چند قدم آگے بڑھ آیا۔ اس کے تمام ساتھی پیچھے ہٹ گئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی دور ہٹ گئے۔ اب دونوں لڑنے والوں کے لیے کافی جگہ ہوگئی۔

''ہاں تو سب سے پہلے کس چیز سے مقابلہ کرنا پسند کرو گے انسپکٹر۔'' سالار بولا۔

''جیسے تم پسند کرو۔'' انسپکٹر جمشید نے شانے اچکائے۔

''تو پھر مختصر ترین وقت میں ہم پستولوں کے ذریعے فیصلہ کر سکتے ہیں۔ آؤ ہم ڈوئل لڑ لیتے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں، تم پر بیک وقت تین آدمی فائر کریں۔ تو بھی تم ان سے

بچ نکلتے ہو۔ خیر مجھے تمہاری دعوت منظور ہے۔'' یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید نے اپنا پستول نکال لیا۔ دوسرے ہی لمحے سلاٹر کے دائیں ہاتھ میں بھی پستول نظر آیا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ دونوں نے کمر سے کمر ملائی اور ایک ایک قدم گن کر مخالف سمت میں بڑھنے لگے۔ ان کے درمیان فاصلہ بڑھتا چلا گیا۔ ٹھیک دسویں قدم پر وہ بجلی کی سی سرعت سے پلٹے۔ فضا میں دو فائروں کی آوازیں ایک ساتھ گونجیں۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کے دل اچھل کر گویا حلق میں آ گئے۔ سلاٹر کے ساتھیوں کا حال بھی مختلف نہیں تھا، کیونکہ اس کی شکست کی صورت میں وہ بھی مصیبت میں پھنستے۔

سب نے دیکھا، دونوں مقابل زندہ سلامت تھے۔ دونوں نے خود کو گولی سے بچا لیا تھا۔

''بہت خوب، یہ مقابلہ تو برابر رہا۔ اسے دہرانے سے تو کوئی فائدہ نہیں۔ اب کیوں نہ ہم ہاتھوں اور پیروں سے لڑیں۔'' سلاٹر کی آواز گونجی۔

''مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

سلاٹر نے اپنا پستول ہولسٹر میں رکھ لیا۔ انسپکٹر جمشید نے اسے محمود کی طرف اچھال دیا، شاید اس لیے کہ وہ اسے جیب میں رکھنے کے عادی تھے۔ اور لڑائی کے دوران وہ ان کے لیے تکلیف دہ ثابت ہو سکتا تھا۔ محمود نے پستول کیچ کر لیا۔ اس نے دیکھا، پستول بھرا ہوا تھا۔ اس میں سے صرف ایک گولی چلائی گئی تھی یعنی اسی وقت کچھ سوچ کر وہ پستول ہاتھ میں ہی پکڑے رہا۔

ادھر دونوں ایک بار پھر مقابلے کے لیے خم ٹھونک کر بڑھے۔ اچانک سلاٹر کا جسم اس طرح حرکت میں آیا، جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ وہ فضا میں اچھلا اور اس کی ٹانگیں انسپکٹر جمشید کے سینے پر پورے زور سے لگیں۔ وہ چاروں شانے چت گرے۔

ادھر سلاٹر زمین پر گرنے کی بجائے بالکل سیدھا آ کھڑا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر محمود، فاروق اور فرزانہ دھک سے رہ گئے، کیونکہ آج تک انہوں نے ہمیشہ یہ دیکھا تھا کہ ٹانگ تک مارنے والا خود بھی پشت کے بل زمین پر گرتا ہے۔ لیکن سلاٹر نہیں گرا تھا۔ بلکہ اب اس نے انسپکٹر جمشید کو سنبھلنے کا موقع بھی نہیں دیا۔ ایک بار پھر اچھلا اور اس بار اس کے دونوں پاؤں سیدھے انسپکٹر جمشید کے پیٹ پر پڑے۔ ان کے ہونٹ مضبوطی سے بھنچے ہوئے تھے، ورنہ شاید ایک عدد گھٹی گھٹی چیخ ان کے منہ سے ضرور نکل گئی ہوتی۔ سلاٹر گرتے ہی پھر اس طرح اچھلا تھا جیسے اسپرنگ اس کے پیروں کے نیچے لگے ہوں۔ انسپکٹر جمشید نے انتہائی پھرتی سے کروٹ بدلی تاکہ سلاٹر کے پیر ان پر پڑنے کی بجائے زمین پر پڑیں۔ لیکن یہاں بھی ان کا اندازہ غلط ہو گیا۔ سلاٹر شاید پہلے ہی یہ اندازہ لگا کر اچھلا تھا کہ وہ کیا کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس بار اس کے پیر ان کی کمر پر لگے۔ اس وقت انسپکٹر جمشید کو یہ محسوس ہونے لگا تھا، جیسے ان کا پورا جسم ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہے۔ انہوں نے دیکھا، ایک بار پھر سلاٹر ان کے اوپر گر رہا تھا۔ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔ سلاٹر کا جسم پوری قوت سے ان پر آ گرا۔ ساتھ ہی سلاٹر کا قہقہہ گونجا:

''ارے بھئی، انسپکٹر جمشید۔ اتنی جلدی چت ہو گئے۔ تم سے یہ امید تو نہیں تھی۔''

ساتھ ہی اس نے ایک بار پھر چھلانگ لگائی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کا دم گھٹ گیا۔ ان کی آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگا۔ اس بار بھی سلاٹر ٹھیک ان پر گرا۔ انسپکٹر جمشید کے جسم میں جنبش پیدا نہیں ہو سکی تھی۔

''اب چند سیکنڈ کے اندر تمہارا کام تمام انسپکٹر۔ میں نے تو تمہارا بہت نام سنا تھا۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ پھر اچھلا۔ سب نے دیکھا۔ اس کی یہ چھلانگ پہلی چھلانگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ اونچی تھی۔ شاید وہ اسے فیصلہ کن چھلانگ

ہٹانا چاہتا تھا۔ اس کا جسم تیر کی طرح انسپکٹر جمشید کے جسم کی طرف آیا اور دھڑام سے زمین پر آ رہا۔ انسپکٹر جمشید نے بلا کی رفتار سے پلٹنی کھائی تھی۔ یہی نہیں، ساتھ ہی ان کی دونوں ٹانگیں پوری قوت سے سلاٹر کی کمر پر لگیں۔ سلاٹر گویا ہوا میں اڑتا ہوا ایک درخت سے ٹکرایا۔ اس کا سر ٹکرا گیا تھا۔

"میں نے دو چوٹیں یہ چال چلنے کے لیے برداشت کی ہیں مسٹر سلاٹر۔" ان کی آواز ابھری۔

"وہ مارا۔" محمود پوری قوت سے چلا اٹھا۔

انہوں نے دیکھا، سلاٹر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے درخت سے الٹے قدموں پیچھے ہٹ رہا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور چیتا کے انداز میں اس کے نزدیک پہنچ گئے۔ انہیں خطرہ تھا، کسی لمحے بھی وہ مڑ کر ان پر وار کر سکتا تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ہاں سلاٹر پلٹا ضرور، اور ان سب نے دیکھا، اس کی پیشانی لہولہان ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر اس کا ایک ہاتھ پکڑ کر مروڑا اور کمر سے لگاتے ہوئے بولے:

"اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ اپنے ہتھیار گرا دیں۔"

اسی وقت دو فائر ایک ساتھ ہوئے۔ ایک گولی انسپکٹر جمشید کے سر سے صرف ایک انچ اوپر گزر گئی۔ ساتھ ہی ٹام کے حلق سے ایک تیز چیخ نکلی۔ انہوں نے دیکھا، اس کے سینے سے خون کا فوارہ جاری ہو چکا تھا۔ اس نے انسپکٹر جمشید پر فائر کیا تھا۔ محمود نے فوری طور پر جوابی کارروائی کی تھی اور اب وہ نیچے گرتا جا رہا تھا۔

"ٹام تم نے برا کیا۔ خیر تمہیں سزا ابھی فوراً مل گئی ورنہ میں خود بھی تمہیں یہی سزا دیتا۔ چلو باقی لوگ اپنے ہتھیار گرا دو۔" اس کے ساتھیوں نے حکم کی تعمیل کی۔

"جاؤ محمود، ساحل پر جو پانچ آدمی رہ گئے ہیں، انہیں بھی یہاں بلا لاؤ۔

[illegible] وہ اپنے ہتھیار ساتھ نہ لائیں۔"

"بہت بہتر۔"

چند منٹ بعد باقی پانچ بھی اپنے ہتھیار ان کے حوالے کر چکے تھے اور مدد [illegible] واپس روانہ ہو رہے تھے۔ سلاٹر پر بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ شاید چوٹ [illegible] آئی تھی۔ خون بھی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اور پھر اس کی گردن ڈھلک گئی۔ [illegible] اس کی نبض دیکھی تو چل رہی تھی۔

"یہ بے ہوش ہو گیا ہے۔ اب ان لوگوں کو باندھنا شروع کرو۔"

وہ اس کام میں مصروف ہو گئے۔ اور جب وہ قیدیوں کو لانچ پر سوار کرنے [illegible] کی طرف متوجہ ہوئے تو حیرت کا گویا ایک پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑا۔ سلاٹر [illegible] اس کی تلاش میں پورے جزیرے پر دوڑے۔ لیکن وہ تو اس طرح غائب [illegible] گدھے کے سر سے سینگ۔ مزے کی بات یہ کہ وہ کسی لانچ پر بھی نہیں گیا [illegible] دونوں لانچیں بدستور کنارے پر کھڑی تھیں۔

"معلوم ہوتا ہے، وہ بے ہوش نہیں ہوا تھا۔" انسپکٹر جمشید کا لہجہ تھکا تھکا [illegible] انسپکٹر جمشید نے محمود، فاروق اور فرزانہ کی کہانی سنی۔ اس کہانی کے دوران [illegible] سمندر پر مسلح پہرہ بٹھا دیا گیا۔

دوسرے دن غوطہ خوروں کی ایک جماعت سمندر کی تہہ میں اتری اور اوپر [illegible] انہوں نے ایک ہولناک خبر سنائی۔ انہوں نے بتایا، نیچے کوئی سونے کا جہاز نہیں [illegible] ایک اٹامک وار ہیڈ ہے۔ میزائل میں لگا کر کچھ نئی قسم کے بم چھوڑے گئے [illegible] اس جگہ گرانے کا پروگرام ہوتا ہے۔ میزائل وہاں خود بخود بم گرا دیتا ہے اور [illegible] خود بھی تباہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس میزائل میں کچھ خرابی واقع ہو گئی۔ جس کی [illegible] راستے میں ہی گر گیا۔

پروفیسر داؤد اور دوسرے سائنس دانوں کا خیال تھا کہ یہ بم انتہائی ہلاکت خیز ہیں۔ دوران ان کی تیاری میں اربوں روپے صرف کیے گئے ہوں گے۔ شاید دشمن ملک نے تجربے کی نیت سے اور ان کی ہلاکت خیزی کا اندازہ لگانے کی نیت سے یہ ہمارے ملک پر چھوڑنے کا پروگرام بنایا تھا۔ لیکن میزائل کے خراب ہونے کی وجہ سے یہ سمندر میں گر گئے اور پھٹ نہ سکے۔ سلاٹر کو اس لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ انہیں سمندر سے نکلوائے اور بم کی مدد سے میزائل کی خرابی کو دور کر کے ایک بار پھر چھوڑ دے تا کہ تجربہ مکمل ہو جائے۔

یہ تفصیل سن کر وہ کپکپا اٹھے۔ نہ جانے اس طرح ملک پر کتنی خوف ناک تباہی نازل ہوتی۔ ابھی تک سلاٹر کے فرار کی خبر کو پوشیدہ رکھا گیا تھا اور یہ انسپکٹر جمشید کے کہنے پر ہوا تھا۔ اسی دن شام کو وہ محمود، فاروق اور فرزانہ کے علاوہ کچھ اور لوگوں کے ساتھ کوب طیاری کے گھر پہنچے۔ کوب طیاری نے ان سب کو دیکھ کر حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"آپ ہمیں دیکھ کر حیران ہیں، حیران ہونا بھی چاہیے۔ بات دراصل یہ ہے کہ سلاٹر نے ہمیں آپ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" کوب طیاری زور سے اچھلے۔

"جی ہاں، ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ آپ دشمن ملک کے جاسوس ہیں۔ یہی تو وجہ ہے کہ سلاٹر آپ کے ہاں آیا تھا۔ اور اس نے آپ کے ذریعے اجازت نامہ حاصل کیا تھا اور جب میں یہاں پہنچ گیا اور میں نے آپ کو یہ بتایا کہ سبز آنکھوں والا آپ کا مہمان دراصل ایک خوف ناک غیر ملکی جاسوس ہے تو میرے یہاں سے روانہ ہونے کے بعد آپ نے اسے خبردار کر دیا کہ میں اس طرف آ رہا ہوں۔ اس لیے سلاٹر ہمیں ہٹ پر نہیں مل سکا۔ اس نے سمندر میں چلے جانا پسند کیا، بہرحال اب جب کہ سلاٹر نے یہ بیان دے دیا ہے کہ آپ بھی اس کے ساتھی ہیں، آپ کے لیے بچنے کا کوئی راستہ نہیں۔ آپ خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیں۔"

"نہیں، نہیں، یہ غلط ہے۔" انہوں نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"اگر یہ غلط ہے تو پھر میں اس گھر کے چپے چپے کی تلاشی لوں گا اور یہاں سے ایسے کاغذات برآمد کر کے دکھا دوں گا جن سے آپ غیر ملکی جاسوس ثابت ہو جائیں گے۔"

"نہیں۔" کوب طیاری کا لہجہ حد درجے خوف میں ڈوبا ہوا تھا۔

اور اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں، پھر انسپکٹر جمشید نے کاغذات بھی برآمد کر کے دکھا دیے۔ عمران اور گھر کے دوسرے افراد پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ پھر عمران کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ آنسو بھری آنکھوں سے اس نے فرزانہ کو دیکھا، فرزانہ کو اس لمحے اس کی آنکھیں کچھ کہتی محسوس ہوئیں۔ اس نے سنا، عمران کی آنکھیں کہہ رہی تھیں:

"کیا میں نے تمہیں اس لیے اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔ اچھی نکلی ہو تم۔"

لیکن فرزانہ کا اس میں کیا قصور تھا۔ یہ سب کچھ تو کوب طیاری کا اپنا کیا دھرا تھا۔ وہ بھی پردہ پچھلا ہی محسوس کر رہے تھے۔ آخر فاروق نے زبان کھولی:

"ابا جان، اس بار تو ہماری خوب درگت بنی ہے۔"

"ہاں بیٹا، صرف تمہاری ہی نہیں، میری بھی خوب درگت بنی ہے۔" انہوں نے کہا اور مسکرانے لگے۔

☆☆☆

اشتیاق احمد کے دلچسپ، حیرت انگیز، سنسنی خیز، ہنگامہ آرا اور جاسوسی سے بھرپور ناول

نئے ناول

ملنے کا پتہ: اٹلانٹس پبلیکیشنز D-83 سائٹ، کراچی۔ فون: 2578273 - 2581720